بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا
علمی، دینی، تحقیقی و اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۱) صفر ۱۴۴۶ھ مطابق اگست ۲۰۲۴ء شمارہ (۲)

مدیر مسئول
حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی
بانی و مہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ و صدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر
محمد صغیر قاسمی
09897855010
sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:
فی شمارہ: ۳۰ روپے سالانہ: ۳۰۰ روپے اعزازی: ۵۰۰۰ روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط و کتابت کا پتہ:
دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"
جامعۃ السعادۃ
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر
تحقیقاتِ اسلامی
۲۴۱ر آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفر نگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱ر آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آئینہ

صریر خامہ

مسلم بچیوں کا ارتداد ایک لمحۂ فکریہ — محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی — (۳)

درس حدیث:

مفلس کون — مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی — (۶)

دور حاضر اور علامات قیامت: — محمد صغیر پرتاپ گڑھی — (۸)

مقالات ومضامین:

مقام تقوی — مولانا محمد عمر فاروق — (۱۰)

ترقی غلط فہمی اور درست مفہوم — مولانا محمد عاشق الٰہی البرنیؒ — (۱۲)

اسلامی مدارس کا مقصد — مولانا محمد حذیفہ وستانوی — (۱۵)

مسئلہ معاش اور اسلامی تعلیمات — مفتی ابوالخیر عارف محمود — (۱۸)

مضبوط خاندان مضبوط سماج — محی الدین غازی — (۲۴)

اسلامی تہذیب وتمدن میں عورتوں کا کردار — ڈاکٹر ساجد خاکوانی — (۲۹)

حضرت نانوتویؒ کی سادگی وتواضع — ادارہ — (۳۳)

وفیات

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب شہیدؒ — محمد صغیر قاسمی — (۳۴)

فقہ وفتاوی — ادارہ — (۴۵)

طب وصحت

پانی پینے کے طبی اصول — حکیم محمد عمران مغل — (۴۶)

افسانہ:

ساس بہو — ادارہ — (۴۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

مسلم بچیوں کا ارتداد ایک لمحۂ فکریہ

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اسلام ایک جامع اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو انسان کی فطری، دینی، دنیاوی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے تمام پہلوؤں کو منظم کرتا ہے اور ہر معاملے میں راہنما خطوط متعین کرتا ہے، جس سے تجاوز ممنوع و حرام ہوتا ہے۔ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت شادی ہے، فطرت سلیمہ جس کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کے حوالے سے بھی اسلام کی تعلیمات و ہدایات واضح ہیں۔

اسلام نے شادی کو ایک مقدس بندھن قرار دیا ہے، اور اس کے لئے اصول وضوابط مقرر کئے ہیں، جن کی پابندی اگر نہ کی جائے تو نکاح درست نہ ہوگا اور ازدواجی رشتہ قائم کرنا حرام ہوگا۔ اسلام میں شادی کا مقصد نہ صرف دو افراد کی زندگی کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھنا اور فطری ضرورت کو پورا کرنا ہے، بلکہ ایک مضبوط اور صالح معاشرتی نظام قائم کرنا بھی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے شادی کے لیے دین، ایمان اور اخلاقی اقدار کا مضبوط ہونا اور مرد وعورت دونوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اسلام میں مسلم مرد اور عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ شادی صرف اس سے کریں، جس کا عقیدہ ونظریہ اسلامی عقیدے کے مطابق ہو، غیر مسلم سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اس حکم کے برخلاف کوئی عورت یا مرد اگر کسی غیر مسلم یا غیر مسلمہ سے شادی کرتا ہے تو وہ شادی منعقد نہیں ہوگی اور جسمانی رشتہ قائم کرنا زنا کہلائے گا اور اس رشتے سے پیدا ہونے والی اولاد حرامی ہوگی۔

یہ ایسا مسئلہ ہے، جس میں نہ کسی عالم کا اختلاف ہے اور نہ کسی مسلک کا۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں۔ شریعت کے اس حکم کی اگر کوئی مخالفت کرتا ہے اور ایسے رشتے کو جائز سمجھتا ہے، تو وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جائے گا، اسلام سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ جائے گا۔ اور اگر اسی حال پر وہ مرتا ہے تو اس کا حشر کفار ومشرکین کے ساتھ ہوگا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہو۔

اس وقت بہت سی اسلام دشمن طاقتوں نے مسلم بچیوں کو مرتد بنانے کے لئے مہم چلا رکھی ہے اور ایسے لڑکوں کو وہ انعامات دیتے ہیں جو کسی مسلم بچی کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانس لے اور پھر شادی کا بہانا کر کے اسے مرتد بنا دے۔

افسوس یہ ہے کہ ماں باپ کی غفلت اور کالج واسکول کے آزادانہ مخلوط ماحول کی وجہ سے بڑے پیمانے پر مسلم بچیاں اس

جال کا شکار ہورہی ہیں اور اپنے آبائی دین ومذہب کو چھوڑ کر مرتد ہورہی ہیں۔ یہ مسئلہ صرف کسی بچی یا خاندان کا اب انفرادی نہیں رہا، بلکہ پورے مسلم معاشرے اور ملت اسلامیہ کا بن گیا ہے۔ اس مہم کو اگر فوری طور پر مضبوط لائحہ عمل تیار کر کے نہ روکا گیا اور اس کی وجوہات تلاش نہ کی گئیں، تو نہ جانے کتنی ہماری بہن بیٹیاں اسلام سے نکل کر واصل جہنم ہوجائیں گی۔

بچیوں کا غیروں سے شادی کرنے اور مرتد ہونے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں:

اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات سے عدم واقفیت اور کفر وارتداد کے انجام سے غفلت۔ تعلیم، ملازمت یا اچھے رشتے کی تلاش کے نام پر عمر ہوجانے کے باوجود والدین کا بچیوں کی شادی نہ کرنا۔ معاشی بدحالی، خاندانی مشکلات اور جہیز کے سامان کے انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے لڑکی کا اس قسم کا سنگین قدم اٹھانا۔ غیر مسلم خاندانوں سے بے تکلف قربت وپڑوس۔ فیس بک وواٹسپ کا استعمال اور اس کے ذریعہ دشمنوں کے جال میں پھنسنا۔ محبت کے جھوٹے دعوے سے متأثر ہوکر ان کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے آمادہ ہوجانا۔ اسلام دشمن طاقتوں کی جانب سے چلائی جارہی اسلام مخالف مہم سے متأثر ہونا، خصوصا طلاق وغیرہ کے مسائل کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اس انداز سے پیش کرنا گویا اسلام میں عورت کو باندی بنا کر رکھا جاتا ہے۔

ان وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے ضرورت ہے کہ دشمنان اسلام کی سازشوں کا توڑ تلاش کیا جائے، اور اس کی روک تھام کے لئے دینی، معاشرتی، معاشی اور تعلیمی ہر طرح کے اقدامات کئے جائیں۔ جن میں سے چند ایک اقدامات یہ ہوسکتے ہیں:

اسلامی تعلیمات اور عقائد سے واقف کرنے کے لیے بچیوں کو ابتدائی عمر سے ہی دینی تعلیم دی جائے۔ اور کفر وارتداد کے مسائل سے آگاہ کیا جائے، کفر کے انجام کو بتایا جائے، نیز نکاح وطلاق کے اصول وضوابط اور مرد وعورت کے حقوق سے اور شوہر کے ناپسند ہونے کی صورت میں خلع کے اختیار سے بھی لڑکیوں کو معلومات فراہم کی جائیں۔

والدین بچیوں کی دینی واخلاقی تربیت کے ساتھ اس بات پر بھی خصوصی توجہ دیں کہ بچی کس قسم کی لڑکیوں سے دوستی وتعلق رکھتی ہے، عموماً ناجائز تعلقات میں فاحشہ وبے حیا عورتوں ہی کا واسطہ ہوتا ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ موبائل ان کے ہاتھ میں نہ دیئے جائیں اور اگر دیا جائے تو مکمل نگرانی رکھی جائے کہ موبائل میں ان کی مصروفیت کیا رہتی ہے اور کس قسم کے لوگوں سے رابطے ہیں۔ اسی طرح اس بات پر بھی اہل خانہ کو نظر رکھنے کی سخت ضرورت ہے کہ لڑکیاں بازاروں اور مارکیٹوں میں خریداری کے نام پر یا علاج کے نام پر ڈاکٹروں کے یہاں نہ جائیں اور اگر ضرورت شدیدہ کی بنا پر جائیں تو گھر کے مردوں کے ساتھ جائیں یا ایسی معتمد عورتوں کے ساتھ جائیں جو ان کی نقل وحرکت پر نظر رکھ سکیں۔ جوان بچیوں کو تنہا یا سہیلیوں کے ساتھ کہیں جانے دینا بڑے فتنوں کا سبب بن سکتا ہے۔

غیر محرم مردوں ولڑکوں سے اسلام نے پردے کا حکم دیا ہے اور ان سے رابطہ رکھنے کو حرام قرار دیا ہے، اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ والدین گھروں میں اسلامی پردے کا نظام بنائیں اور غیر محرموں سے بے حجابانہ اختلاط سے اپنے بچوں وبچیوں کو بچائیں۔ نیز بے پردہ لباس کے استعمال پر بھی سخت نظر رکھی جائے۔

والدین اور اہل خانہ کی ذمہ داری اور فریضہ ہے کہ وہ عمر ہوتے ہی اور مناسب رشتہ ملتے ہی اپنے بچوں وبچیوں کی شادی کردیں، بلاوجہ کی تاخیر ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے، نیز بلاوجہ کی تاخیر کی وجہ سے اگر اولاد گناہ کا ارتکاب کرتی ہے تو والدین بھی آخرت میں جواب دہی سے بچ نہیں پائیں گے۔

علماء وصلحاء اسے باقاعدہ عنوان بنا کر اس موضوع پر تقریر کریں اور اس کی ہولناکی سے معاشرے کو آگاہ کریں۔ عورتوں کے الگ سے پروگرام رکھیں جائیں اور ایسے ہونے والے واقعات اور ان کے نتائج سے ان کو آگاہ کیا جائے۔ بچیوں کے لئے قائم ادارے اس کام کو بخوبی کرسکتے ہیں۔تبلیغی جماعت بھی اس حوالے سے بڑا کردار ادا کرسکتی ہے۔جماعتی احباب کو چاہئے کہ ان عورتوں کو اس موضوع پر بھی وعظ کرنے کو کہیں جو خواتین کی جماعت میں جاتی ہیں۔

مسلم نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ آگے آئیں اور بلا جہیز شادی کے لئے تیار ہوں۔اگر آپ دوسرے کی بیٹی بلا جہیز لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، تو دوسرا بھی آپ کی بہن، بیٹی سے بلا جہیز شادی کے لئے تیار نہیں ہوگا۔اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔بچیوں کے غیروں کے ساتھ جانے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ جہیز کی لعنت ہی ہے۔

اسلام تعلیم کا مخالف نہیں ہے، بلکہ تمام مذاہب میں سب سے زیادہ تعلیم کی ضرورت واہمیت کو اسلام نے ہی واضح کیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعلیم کے نام پر بے حیائی اختیار کی جائے اور اسلام کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا جائے۔اس لئے والدین پر لازم ہے کہ بچیوں کو تعلیم اسی قدر دیں، جتنی کہ اسلامی تعلیمات کی پاس داری کے ساتھ ممکن ہو، جب مخلوط تعلیم اور ہاسٹل میں رہنے کی نوبت آئے تو ضروری ہے کہ تعلیمی سلسلہ منقطع کرادیا جائے۔

عورتوں کے اخراجات کی ذمہ داری اسلام نے والد، بیٹے، بھائی اور شوہر پر ڈالی ہے۔عورتوں کو اس کا ذمہ دار بنانا اور انھیں کمانے وکاروبار کرنے کا مکلف کرنا، ان پر زیادتی ہے۔اس لئے اہل خانہ کو چاہئے عمر ہوجانے پر بچیوں کی شادی کردیں اور انھیں اپنے گھر کو آباد کرنے کی تلقین کریں۔نہ کہ ان سے دفتروں، بازاروں اور افسروں کا چکر لگوائیں۔

رب کریم امت مسلمہ کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔

قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

درس حدیث

مفلس کون

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

(رواہ مسلم، فی البر الصلہ: ۲۵۸۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے پاس درہم دینار اور مال واسباب نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کا مفلس وہ آدمی ہوگا کہ جو نماز روزے زکوۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا، لیکن اس آدمی نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو ان سب لوگوں کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیے جائیں گے پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

تشریح

ایک دن جب کہ محبوب خدا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے جھرمٹ میں چاند کی طرح تشریف فرما تھے کہ اچانک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس یعنی غریب ومسکین ولاچار کون ہے؟ صحابہ کرام نے جواب دیا کہ ہم تو مفلس اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس مال واسباب اور روپیہ پیسہ نہ ہو۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا میری امت میں اصل مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے پاس نماز روزہ اور زکوۃ وغیرہ جیسے اہم وبنیادی اعمال کا ذخیرہ ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے نامۂ اعمال میں یہ بھی لکھا ہوگا کہ اس نے فلاں کو گالی دی تھی، فلاں پر جھوٹا الزام لگایا تھا، فلاں کا مال کھایا تھا، فلاں کا خون ناحق بہایا تھا، فلاں کو مارا و ستایا تھا۔

پھر سب کو بلایا جائے گا اور ایک ایک مظلوم کو اس کے حق کے بدلے میں اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، اب

اگر سارے مطالبے پورے ہوگئے تو ٹھیک، لیکن اگر سارے مطالبات پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر حقداروں کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔ اور اب چوں کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہیں بچی کہ اسے اس وقت جنت میں داخل کیا جائے، اس لئے اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اور پھر جب یہ اپنے پورے جرم کی سزا بھگت لے گا تو رب کریم اپنے رحم وکرم سے کسی وقت نکالے گا۔

اس ارشاد پاک سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے لیے، جنت میں اول مرحلے میں داخل ہونے کے لیے اور سچا پکا مسلمان بننے کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ عقائد ونظریات درست ہوں، نماز وروزہ اور دیگر فرائض وواجبات پر عمل ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ معاملات اور لوگوں کے ساتھ رہن سہن میں بھی شرعی اصولوں کا لحاظ رکھا جائے، کسی پر ظلم وزیادتی سے بچا جائے، کسی کو گالی دینا، بُرا بھلا کہنا، ستانا، الزام وبہتان لگانا، کسی کا مال ہڑپ لینا، کسی کی زمین پر قبضہ کر لینا، کسی سے قرضہ لے کر اسے واپس نہ کرنا۔ یہ معمولی گناہ نہیں ہے۔ آخرت میں ان کا بھی حساب کتاب ہوگا، اور جس کا جو حق دنیا میں لیا ہوگا آخرت میں اسے چکانا ہوگا۔

****

حضرت شیخ الہند محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ کی فنائیت

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق سنا ہے کہ ابتدا میں بہت ہی خوش پوشاک تھے، رئیسانہ زندگی، مگر اخیر میں کھدر کی وجہ سے ایسا لباس ہو گیا تھا کہ دیکھنے والا مولوی بھی نہ سمجھتا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ ''ذکرِ محمود'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ جیسے شباب میں لطافتِ مزاج کے سبب نفیس پوشاک مرغوب تھی، اب غلبۂ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا اور سادی ہی وضع اختیار فرمائی تھی، جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے۔ وضع سے کوئی شخص یہ بھی گمان نہ کر سکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا بھی امتیاز مالی، جاہی، علمی حاصل ہے، حالانکہ ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔'' (آپ بیتی از شیخ الحدیث رحمہ اللہ)

دور حاضر اور علامات قیامت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

ارتداد کا فتنہ

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: تلا رسول الله صلى الله عليه و سلم: "إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَ الْفَتْحُ . وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا" فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم: لَيَخْرُجُنَّ مِنْهُ أَفْوَاجًا كَمَا دَخَلُوا فِيْهِ أَفْوَاجًا. (رواه الحاكم في المستدرك، و قال: هذا حديث صحيح الإسناد و لم يخرجاه: ۴۔ ۴۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے (سورۂ نصر کی یہ آیت کریمہ) تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے): اے محمد ﷺ جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: (کہ آج تو ایک وقت یہ ہے کہ لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، لیکن ایک وقت آئے گا کہ) لوگ (اسی طرح) گروہ در گروہ اسلام سے نکلیں گے، جس طرح گروہ درگروہ داخل ہوئے ہیں۔)

تشریح:

یہ فتنہ اسلام سے نکلنے کا فتنہ ہے، جسے فتنۂ ارتداد کہا جاتا ہے، جو نبی کریم ﷺ کے دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کے عہدِ خلافت میں بھی پیش آیا تھا، اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً پیش آتا رہا ہے۔ لیکن دور حاضر میں اس فتنے کا بڑا زور ہے۔

ارتداد دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ارتداد یہ ہے کہ کوئی مسلمان باقاعدہ اسلام مذہب چھوڑ کر کسی دوسرے دین ومذہب کو اختیار کرلے۔ دوسرا فکری ارتداد ہے کہ کوئی شخص ایسا نظریہ یا عقیدہ اختیار کرلے جو اسلام کے مسلمہ اصول وضابطے کے خلاف ہو۔ یہ شخص بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا، اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور کلمہ ونماز پڑھتا ہو۔

اس وقت دونوں قسم کے ارتداد سے امت دوچار ہے۔ ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگئی ہے جو اسلام مذہب چھوڑ کر کفر اختیار کر رہے ہیں، خصوصاً لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے دوستی کر کے پھر ان کا مذہب اختیار کر کے ان سے شادی کر رہی ہیں۔ اور یہ تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ جب کہ بعض ایسے بدبخت ہیں جو غیر مسلموں سے دوستی وتعلقات کے چکر میں پھنس کر، یا کسی عہدہ ومنصب کے لالچ میں یا کسی اور دنیاوی مقصد کے حصول کے لئے کفر اختیار کر رہے ہیں۔

رہا فکری ارتداد تو یہ سیلاب کی طرح امت کو بہالے جا رہا ہے۔کیا یورپ و امریکہ میں بسنے والے مسلمان اور کیا ہند و پاک اور عرب میں رہنے والے، ہر جگہ کے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور یہی نہیں کہ یہ لوگ اسلام کے بہت سے مسلمہ اصول وعقائد کے منکر ہیں بلکہ اس کے داعی و مبلغ بنے ہوئے ہیں اور کھلم کھلا اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ بلکہ بہت سے تو آگے چل کر باقاعدہ کسی باطل مذہب کو اختیار کر کے اپنے کفر کا اعلان بھی کر دیتے ہیں۔

اس میں بڑا کردار وہ مشینیریاں ادا کر رہی ہیں جو اسلام دشمن طاقتوں کے تعاون سے مسلمانوں کو گمراہ و بدعقیدہ کرنے کے لئے کام کرتی ہیں۔اور نیٹ و یوٹیوب کے ذریعہ وہ ہر جگہ موجود بھی ہیں۔''ایکس مسلم'' کا فتنہ جو بڑے پیمانے پر پھیل رہا ہے، اسی کا پیدا کردہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے سورۃ النّصر کی تلاوت فرما کر، جس میں لوگوں کے اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے کا تذکرہ ہے مذکورہ حدیث میں اسی فتنے کا تذکرہ فرمایا کہ آج جس طرح لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہوں گے اسی طرح ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ اسلام سے فوج در فوج نکل بھی جائیں گے (العیاذ باللہ)۔

****

علمائے دین کی عظمت حضرت حکیم الامتؒ کی نظر میں

فرمایا: جو لوگ علماء کے استیصال کی فکر میں ہیں، وہ خود مسلمانوں کے بلکہ عالَم کے استیصال کی فکر میں ہیں۔ میں ایک اور بات کہتا ہوں گو کہنے کی تو نہیں، وہ یہ کہ عالم اگر بدعمل بھی ہو، جب بھی تم کو اس پر اعتراض کا حق نہیں، کیونکہ وہ مدعی علم کا ہے نہ کہ عمل کا۔اس کی بدعملی سے علم تو غلط نہیں ہو گیا۔طبیب اگر بد پرہیز ہے تو مریض کا کیا نقصان ہے، وہ مریض کو تو صحت ہی کا طریقہ بتلائے گا۔اسی طرح عالم بے عمل تم کو فتوی تو صحیح دے گا، مسائل تو غلط نہ بتلائے گا۔(المرابطہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

رضینا قسمۃ الجبار فینا	لنا علم و للجھال مال
فان المال یفنی عن قریب	وان العلم باق لایزال

یعنی مال تو فنا ہو جائے گا اور علم باقی ہمیشہ رہے گا۔علم جس کے ساتھ ہو وہ دنیا بھر سے مستغنی ہے، اس کو رفیق کی ضرورت نہ مونس کی ضرورت ہے۔(دعوات عبدیت)

علماء کی منصبی خدمت بہت اہم ہے۔فرمایا: میں علماء کی منصبی خدمت کو بہ نسبت صوفیاء کی خدمت سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔علماء شعائر کے خادم ہیں، اس لیے میں ہمیشہ صوفیاء سے علماء ہی کو افضل سمجھتا ہوں اور ان ہی کی خدمت کو اعلی سمجھتا ہوں۔صوفیا اعمال کی تکمیل کرتے ہیں باقی اصل خدمت علماء کی ہے۔(اصلاح المسلمین ص ۲۴۷)

مقام تقویٰ

مولانا محمد عمر فاروق

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات لا یعلمھن کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات استبرءلدینہ و عرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کالراعی یرعیٰ حول الحمیٰ یوشک ان یرفع فیہ الا ان لکل ملک حمی الا و ان حمی اللہ محارمہ الا و ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا افسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو حلال ہے وہ واضح اور روشن ہے اور جو حرام ہے وہ بھی واضح اور روشن ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں ان کو (یعنی ان کے شرعی حکم کو) بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی (ازراہِ احتیاط) پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور بے داغ رہے گا۔ اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا اور مبتلا ہوگا وہ (خدانہ کرے) حرام کی حدود میں جا گرے گا۔ اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور محفوظ سرکاری علاقے کے آس پاس بالکل قریب ہی چراتا ہے تو اس کا قریبی خطرہ ہوتا ہے کہ وہ جانور اس محفوظ سرکاری علاقے میں داخل ہوکر چلنے لگیں۔(جو قابل سزا اور جرم ہے) اور معلوم ہونا چاہیے کہ ہر بادشاہ اور فرمانروا کا ایک حمی (محفوظ علاقہ) ہوتا ہے (جس کی حدود میں بغیر اجازت داخلہ حرام سمجھا جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا وہ حمی (محفوظ علاقہ) اس کے محارم یعنی محرمات ہیں (آدمی کو چاہیے کہ اس کے قریب بھی نہ جائے یعنی مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے) اور خبردار انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے (جس کی شان یہ ہے) کہ اگر وہ ٹھیک ہو (یعنی اس میں نور ایمان خدا کی معرفت اور اس کا خوف ہو) تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے (یعنی اس کے اعمال واحوال صحیح و درست ہوتے ہیں) اور اگر اس کا حال خراب ہو تو سارے جسم کا حال بھی خراب ہوتا ہے (یعنی اس کے اعمال واموال خراب ہوجاتے ہیں) آگاہ رہو گوشت کا کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔

حدیث کے پورے ذخیرہ میں چند حدیثیں وہ ہیں، جن کو امت کے علماء اور فقہاء نے بہت اہم اور اصولی سمجھا ہے، انہی میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث بھی ہے۔

رسول کریم علیہ السلام نے اس ارشاد میں سب سے پہلے تو یہ بیان فرمایا ہے کہ شریعت میں جو چیزیں اور جو معاملات

صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دیئے گئے ان کا معاملہ تو صاف اور روشن ہے، لیکن ان کے علاوہ بہت سی چیزیں اور بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا جائز یا ناجائز ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہ ہو سکے گا، بلکہ دونوں رایوں کی گنجائش ہوگی۔ مثلاً شریعت کے ایک اصول کی روشنی میں ان کو جائز اور کسی دوسرے اصول کی روشنی میں ناجائز قرار دیا جاسکے گا، تو ایسی شبہ والی چیزوں اور ایسے معاملات کے بارے میں بندہ مومن کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ از راہ احتیاط وتقویٰ ان سے بھی پرہیز کرے، اسی میں دین وآبرو کی حفاظت ہے۔

آگے آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایسی مشتبہ چیزوں سے پرہیز کا اہتمام نہ کرے گا، تو وہ بے احتیاطی کا عادی بن کر محرمات کا بھی مرتکب ہو جائے گا۔ تو مومن بندہ کو چاہیے کہ وہ مشتبہ چیزوں اور مشتبہ معاملات سے بھی پرہیز کرے۔ اس طرح وہ محرمات اور معصیات سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ یہی مقام تقویٰ ہے۔

آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت اہم بات ارشاد فرمائی کہ انسانی وجود کے بگاڑ اور سدھار، سعادت اور شقاوت کا دارومدار اس کے قلب کے حال پر ہے، جو انسان کے پورے جسمانی وجود پر اور تمام اعضاء پر حکمرانی کرتا ہے، اگر وہ درست ہوگا اور اس میں خدائی معرفت اور ایمان کا نور ہوگا تو انسان کا پورا جسمانی وجود درست رہے گا۔ اور اس کے اعمال واموال صحیح اور صالح ہونگے اور اگر قلب میں فساد و بگاڑ ہوگا، اور اس پر حیوانی و شیطانی جذبات کا غلبہ ہوگا، تو اس کا پورا جسمانی وجود فاسد اور غلط کار ہوگا، اور اس کے اعمال واخلاق شیطانی ہوں گے۔

اس حدیث میں قلب سے مراد انسان کا وہ باطنی حاسہ ہے جس کا رجحان خیر یا شر کی طرف ہوتا ہے۔ اس کو مضغة (گوشت کا ٹکڑا) اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان کے سینہ میں بائیں جانب صنوبری شکل کا جو ایک خاص عضو اور مضغہ لحم ہے جس کو قلب اور دل کہا جاتا ہے، وہ اس باطنی حاسہ کا خاص محل اور گویا اس کا تخت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں پہلے تو محرمات کے علاوہ مشتبہات سے بھی بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی، جو تقویٰ کی بنیادی شرط ہے۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے قلب کے بارے میں یہ آگاہی دی اور بتلایا کہ انسان کی سعادت وشقاوت کا دارومدار قلب کے صلاح وفساد پر ہے، اس کی حفاظت کی اور نگرانی کی طرف توجہ دلائی۔ مبارک ہیں وہ بندے جو قلب اور باطن کی اس اہمیت کو سمجھتے ہیں اور قالب اور ظاہر سے زیادہ اپنے قلب اور باطن کی طرف فکر رکھتے ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام کا یہی امتیاز ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کی اہمیت کو سب سے زیادہ انہوں نے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہتر جزاء دے اور ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔

بعض شارحین نے اس حدیث پاک کے مضامین کی ترتیب سے یہ بھی سمجھا ہے کہ قلب کی صفائی اور طہارت کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی کھانے پینے میں محرمات کے علاوہ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔ اللہ تعالیٰ مجھ سمیت تمام مومنین کو ہر ہر حدیث پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

ترقی غلط فہمی اور درست مفہوم

مولانا محمد عاشق الٰہی البرنیؒ

دورِحاضر میں جن چیزوں میں ترقی سمجھی جاتی ہے اس میں اصل الاصول تو اغیار کی تقلید اور مشابہت ہے اور اسی کے ذیل میں مال کی کثرت اور اس کی محبت اور بے حیائی اور عصمت وعفت سے دشمنی اور بلند مکانات پر فخر اور فرنیچر اور تصاویر کی رغبت آجاتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کی ترقی ان چیزوں میں نہیں ہے، ترقی اس میں ہے کہ اخلاق بلند ہوں اور افعال واوصاف عمدہ ہوں۔

سب سے پہلے مال کی کثرت اور اس کی محبت کو لے لیجیے، اس میں شک نہیں کہ مال انسانی ضرورت کی چیز ہے، جب دنیا میں رہنا ہے اور جینا ہے تو اپنے لیے اور اپنے متعلقین کے لیے "کسب حلال" بھی ضروری ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "**طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة**" حلال مال کا طلب کرنا فرض کے بعد فریضہ ہے۔

اگر حلال مال تک کمائی محدود رہے، حلال ہی کمائیں، حلال خرچ کریں اور ممنوعات میں نہ لگائیں اور حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی کا خیال رکھیں تو ایسا مال دار بننا جائز ہے، البتہ اسراف وریا کاری حلال مال کے ذریعہ بھی حرام ہے۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب مال زیادہ ہو جائے تو دنیاوی رسوم اور رواجی اخراجات میں خرچ کرنے لگتے ہیں اور صریح گناہوں میں مال کھپاتے ہیں۔ مال زیادہ ہو تو فاسقوں فاجروں والا لباس پہننے لگتے ہیں، گھر میں تصویریں سجالیں، گانے بجانے کا سامان خرید لیا، ٹیلی وژن لے آئے، بچوں کو معاشقے سکھانے لگے، ڈرامے دکھانے لگے، ان کو گانوں کا شوقین اور بے حیائی اور بے شرمی کا خوگر بنا دیا، بڑی بڑی فیس ادا کر کے ان کو انگلش اسکولوں میں داخل کر کے اسلام سے دور کر دیا، کافرانہ سج دھج سے مانوس کر دیا، کیوں کہ کافرانہ طور طریق میں اور کافروں کی مشابہت میں کوٹ پتلون اور ٹائی میں (جو سراسر نصرانیت کا شعار ہے) ترقی نظر آتی ہے اور قرآن وحدیث پڑھانے میں تنزل نظر آتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

سود، قمار، رشوت بڑا مال دار بننے کے حرص میں حلال حرام کی تمیز نہیں کی جاتی، حلال عموماً زیادہ نہیں ملتا ہے، حرام طریقوں سے رئیس کبیر بنتے ہیں۔ بہت سے لوگ لائف انشورنس یعنی بیمۂ زندگی کراتے ہیں۔ یہ معاملہ قمار، یعنی جوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر کسی شخص نے جہالت کی وجہ سے کچھ اقساط جمع کی ہوں تو توبہ کرے اور جس قدر رقم جمع کی ہے صرف اسی قدر وصول کر لے، اس سے زائد اس کو یا اس کے وارثوں کو لینا حرام ہے اور بہت سے لوگ بینک سے سود لیتے ہیں یا سود دیتے ہیں اور خاصی تعداد میں ایسے لوگ بھی ہیں جو عوام کو قرض دے کر سود وصول کرتے ہیں۔

جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ بیمۂ زندگی حرام ہے اور سود کا لین دین بھی حرام ہے اور باعثِ لعنت ہے تو

مولویوں کو کوسنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں کا یہی کام ہے کہ قوم کی ترقی کا جو بھی کوئی راستہ نکلتا ہے اس میں آڑے آجاتے ہیں اور فتوے ٹھوکنے لگتے ہیں۔ دوسری قومیں کہاں سے کہاں نکل گئیں؟ ان میں بڑے بڑے مال دار ہیں، سیٹھ ہیں۔ ان کے بینک جاری ہیں، مولویوں نے قوم کو تنگ دستی کے غار میں دھکیل دیا اور چناں ہے، چنیں ہے۔ مولویوں کا تو احسان یہ ہے کہ وہ یہ بتادیتے ہیں کہ یہ کام حرام ہے اور گناہ ہے، وہ اپنے پاس سے کچھ کہیں تو طعن و تشنیع کرنے کی کوئی وجہ بھی ہے، لیکن جب وہ قرآن وحدیث سے بیان کرتے ہیں تو جو لوگ مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں ان پر لازم ہے کہ مولویوں کی بات مانیں اور حرام سے بچیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود کا ایک درہم جس کو انسان کھالے اور وہ جانتا ہو کہ یہ سود کا ہے تو یہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے اور دوسری حدیث میں یوں ہے کہ سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں، ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے زنا کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص:246) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا کہ (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص:244)

اسلام کے دعوے داروں کا یہ حال ہے کہ طاعات وعبادات کے ذریعہ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں لینے کو تیار نہیں، گناہوں کے ذریعہ ترقی کرنا چاہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ گناہ کے ذریعہ جو مال ملے گا وہ حرام بھی ہوگا اور بے برکت بھی، نیز دنیا کی بربادی کا بھی ذریعہ ہوگا اور آخرت کے عذاب کا بھی سبب ہوگا۔ کافروں کی دیکھا دیکھی گناہوں کے ذریعہ مالیاتی ترقی کرنا بہت بڑی بھول ہے۔ کافر کے لیے تو دنیا ہی ہے۔

موت کے بعد تو اس کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔ ان کے لیے دنیا جنت ہے۔ ان کی مالیاتی ترقی اور لذتوں والی زندگی دیکھ کر حرص کرنا، رال ٹپکانا، اپنے ایمان واسلام کی ناقدری ہے۔ بہت سے لوگ یوں کہتے ہیں کہ جوا، بیمۂ زندگی اور سود کے لین دین میں نفع ہے۔ مولوی لوگ نفع کی چیزوں سے منع کرتے ہیں۔ خدمت میں عرض یہ ہے کہ مولوی اپنے پاس سے منع کریں تب تو ان کو جا کر برا کہا جائے۔ ہر فائدہ کی چیز حلال نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ (سورہ بقرہ، آیت:129)

(وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں۔ اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔)

کتنی واضح بات ہے کہ نفع ہوتے ہوئے بھی ان میں بڑا گناہ بتایا ہے۔ اہل دنیا صرف دنیا کے ظاہری موجودہ نفع کو دیکھتے ہیں، نہ اس کے دنیاوی انجام پر نظر رکھتے ہیں، نہ آخرت کی بربادی کا خیال کرتے ہیں کہ مال داری کی حرص میں رشوت

کالین دین بھی ہوتا ہے۔ ملازمت کی تنخواہ ایک ہزار ہے، لیکن ماہانہ آمدنی دس ہزار ہے۔ یہ دس ہزار رشوت کے ذریعہ وصول کیے جاتے ہیں اور ملازمین جو مال دار ہوتے ہیں، ان کے پاس رشوت ہی سے زیادہ مال جمع ہوتا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے رشوت لینے والے پر اور رشوت دینے والے پر اور اس پر جو ان دونوں کے درمیان واسطہ بنے۔ (مشکوۃ المصابیح:326) اگر رشوتیں لے کر نئے نئے ڈیزائن کی خوب صورت بلڈنگیں کھڑی کر لیں۔ سود کی رقم سے لکھ پتی ہو گئے۔ حرام مال سے کارخانے چلا لیے اور کمپنی کھول کر منیجنگ ڈائریکٹر بن گئے، کیا یہ ترقی ہے؟ یہ کوئی ترقی نہیں ہے۔

ترقی یہ ہے کہ مال حلال کا ہو۔ شریعت کے مطابق دنیاوی حلال ضرورتوں میں خرچ ہوتا ہو اور آخرت کے لیے ذخیرہ بنایا جاتا ہو۔ زیادہ مال کی ہوس میں لوگ اپنے ملکوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ یورپ، امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا کی طرف لپک رہے ہیں، وہاں مال زیادہ ہے، مگر بے دینی ہے، فحاشی ہے، عریانی ہے، آزادی ہے، جو سراسر بربادی کا ذریعہ ہے، مگر ہری بھری دنیا آخرت کی کامیابی کے لیے سوچنے ہی نہیں دیتی۔ اولاد وہاں کے ماحول کے مطابق طور طریق اختیار کر رہی ہے اور آزادی و فحاشی، عریانی و بے حیائی میں سب مگن ہیں۔ وہاں کے قوانین کے مطابق اولاد کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔ اگر موجودہ نسل کو کسی نے سنبھال بھی لیا تو آئندہ نسلوں کی تباہی تو بہر حال ہے ہی۔

آخر ایسے مال کی کیا ضرورت ہے؟ جو اپنی اولاد کو دین و ایمان سے اور اعمال اسلام سے دور کر دے۔ اولاد کے لیے دوزخ کا سامان کر دینا تو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دینے سے بھی زیادہ ظلم ہے، کیوں کہ ذبح کی تکلیف وقتی ہوتی ہے اور دوزخ کا عذاب سخت بھی ہے اور دائمی بھی (اگر ایمان پر موت آ گئی، لیکن اعمال کی وجہ سے عذاب ہو کر چھٹکارا ہوا تو اس کی مدت بھی تو کم نہیں ہے۔) مذکورہ ملکوں میں جا کر بستے ہیں، نہ لباس اسلامی رہتا ہے، نہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شکل وصورت بھاتی ہے، نہ حلال حرام کی تمیز رہتی ہے۔

حرام چیزیں بلا تکلف کھاتے ہیں اور بغیر بسم اللہ کا ذبح کیا ہوا گوشت تو وہاں بہت ہی عام ہے۔ وہاں محلوں میں کھانے پینے کی ضرورت کی چیزیں فروخت کرنے کے لیے دکانیں کھول لیتے ہیں، شراب اور سور کا گوشت اسلام کے نام لیوا بغیر کسی جھجک کے فروخت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے بنانے والے پر اور اس کے بنوانے والے پر اور اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے پاس لے جائی جائے اس پر۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

یورپ، امریکا، آسٹریلیا میں اسلام سے نسبت رکھنے والوں نے دکانیں کر رکھی ہیں۔ مذکورہ بالا چیزیں خریدتے اور فروخت کرتے ہیں، قصداً وارادۃً لعنت کے کام اور لعنت کے کاروبار کرتے ہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اسلامی مدارس کا مقصد

مولانا محمد حذیفہ وستانوی

الحمدللہ! اللہ رب العزت نے انسان کو عقل عطا کی ہے اور عقل عطا کرنے کا مقصد ہی تمیز بین الخیر والشر ہے، یعنی اس عقل کے سہارے وہ اچھے برے میں تمیز کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقلمند کا ہر کام با مقصد ہوتا ہے، وہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے، مقصد کی تعیین کرتا ہے، تا کہ اس کی محنت اکارت نہ ہو؛ جیسے کوئی انسان دکان خریدتا ہے، تو مقصد اس میں تجارت کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر وہ اس میں تالا لگا دے تو لوگ بے وقوف کہیں گے، کہ عجیب آدمی ہے، دکان خریدی یا بنائی اور ایسے ہی تالا لگائے پڑی ہے، تو تعجب کیوں؟ مقصد سے ہٹنے پر۔ ایسے ہی اللہ رب العزت نے انسان بنایا اور اسے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا، تو تخلیق انسانی کا مقصد بھی بیان کر دیا میں نے انسان اور جنات کو محض اپنی عبادت کی غرض سے پیدا کیا۔

تو معلوم ہوا کہ مقصد حیات انسانی، عبادت خداوندی ہے، بقیہ امور مثلاً: کمانا، کھانا پینا، سونا وغیرہ، مقصد نہیں، بلکہ ضرورت اور حاجت ہے، اگر کوئی انسان عبادت جل مجدہ سے منہ موڑ کر محض کھانے، پینے، کمانے اور سیر و تفریح کھیل کود میں لگ جائے، تو اس کا مطلب وہ اپنے مقصد سے ہٹ کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ اسی لیے اس کا انجام جہنم اور عذاب ہوگا۔ جیسے قلم لکھنے کے لیے بنایا جاتا ہے، لیکن اگر ایک مدت تک اسے استعمال نہ کیا جائے تو وہ بے کار ہو جاتا ہے۔

اب جب یہ بات سمجھ میں آ گئی، تو آیئے! مدارس کے قیام کا مقصد اور پس منظر بھی معلوم کرتے چلیں، تا کہ بعض روشن خیال، نام نہاد دانشور اور مدارس اور مسلمانوں کے نادان خیر خواہوں کو بھی بات سمجھ میں آ جائے اور وہ مدارس سے ڈاکٹرز، انجینئر اور سائنس داں پیدا کرنے کی خواہش ترک کر دیں اور خود اپنے گریباں میں جھانکیں کہ معاشرے کو خاص طور پر مسلمان معاشرے کو جو ڈاکٹرز، سائنس داں اور انجینئرز وغیرہ نہیں مل رہے ہیں، اس میں قصور ان کا ہے، مدارس کا نہیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے میں نے ایک روزنامہ میں پڑھا کہ اتنے کثیر تعداد میں مدارس ہونے کے باوجود پچھلے نو سو سال میں مدارس نے کوئی خوارزمی، خیام، رازی امت کو نہیں دیا، تو مجھے بڑا عجیب سا معلوم ہوا، کچھ ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی؛ تو میں نے قلم اٹھایا اور ارادہ کر لیا کہ ان جیسے مقالہ نگاروں کے سامنے مدارس کا مقصد بیان کر دینا ضروری ہے، تا کہ امت، خلطِ مبحث کا شکار نہ ہو جائے، امید ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کریں گے۔

قیام مدارس کا پس منظر

1857ء میں متحدہ ہندوستان کے باشندوں کی مسلح تحریک آزادی ناکام ہوگئی اور ہندوستان میں برطانوی حکومت باضابطہ قائم ہوگئی، تو اس نئی برطانوی ظالم حکومت نے دفتروں اور عدالتوں سے فارسی اور عربی زبان کی بساط لپیٹ دی، اس کے ساتھ ساتھ دیگر علومِ اسلامیہ کا بھی، خاص کر فقہ اسلامی، تفسیر، حدیث کی تعلیم دینے والے مدارس کے معاشرتی کردار پر بھی خطِ نسخ

کھینچ دیا گیا،جس کے نتیجے میں ہزاروں مدارس اس نوآبادیاتی فیصلے کی نذر ہو گئے،ایسے سنگین حالات میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی جماعت کے بچے کھچے درویش صفت بزرگوں نے دیوبند،سہارنپور،مرادآباد اور ہاٹ ہزاری میں دینی مدارس کے،ایک رضا کارانہ اور پرائیویٹ سلسلے کا آغاز کیا۔جوان بزرگوں کے خلوص اور معاشرے کی دینی ضرورت کے باعث بہت جلد ایک مربوط اور منظم نظام کی شکل اختیار کر گیا اور جنوبی ایشیا کے کونے کونے میں ایسے مدارس کا جال بچھ گیا اور اب تو ماشاء اللہ صرف ہندوستان اور جنوبی ایشیا ہی نہیں،بل کہ برطانیہ،امریکہ،کنیڈا،جرمنی،آسٹریلیا،جنوبی افریقہ اور اب عرب ممالک میں بھی اس کے قیام کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے،بل کہ قائم کیے جارہے ہیں،اور کیے جاتے رہیں گے۔

قیام مدارس کا مقصد

اہلِ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے انفرادی،اجتماعی،شخصی و معاشرتی تمام معاملات میں وحی الٰہی کے پابند ہیں اور اخروی نجات کے ساتھ ساتھ ان کی دنیاوی کامیابی اور فلاح بھی آسمانی تعلیمات کی پیروی پر موقوف ہے،اہلِ اسلام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کے تمام انبیا کی تعلیمات کو حق مانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات،تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔اور قرآن کریم وحی الٰہی کا فائنل ایڈیشن ہے اور وہ مکمل محفوظ ہے؛باقی تمام کتابیں عدم حفظ کا شکار ہیں،لہٰذا راہِ حق کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور سبیل ہی نہیں۔

اس پس منظر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کا قرآن وسنت کی تعلیمات سے آراستہ ہونا،اس کے دینی فرائض میں شامل ہے؛لہٰذا دنیا پر استعماری طاقتوں کے تسلط سے پہلے مسلمانوں کی مذہبی حکومت اور قیادت ہی دینی تعلیم کے فروغ کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتی تھی،لہٰذا اس کے لیے جو کچھ ہو،کر گذرتی تھی،اس میں کوتاہی نہیں کرتی تھی،مگر استعمار کے تسلط کے بعد مذہبی تعلیمات علماً وعملاً صحیح طور پر باقی رکھنے کے لیے رضا کارانہ طور پر مدارس کی صورت میں پرائیویٹ تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی گئی، قیام مدارس سے اکابر کا اصل مقصد،اسلامی معاشرہ میں دینی تعلیم کو باقی رکھنے کے لیے معاشرہ میں مساجد و مدارس کو رجال کار کی فراہمی تھا، تا کہ دینی تعلیم کا سلسلہ بلا کسی تعطل وخلا کے چلتا رہے۔الحمدللہ! مدارس اپنے مقصد میں کامیاب ہیں،خود علامہ اقبال نے مدارس پر اعتراض کرنے والوں سے کہا تھا کہ”ان مدارس کو اسی حالت پر کام کرنے دو۔اس نے ہندوستان کو اسپین ہونے سے بچالیا ہے“۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مدارس،ضرورت کے بقدر انگریزی کمپیوٹر وغیرہ تو اپنے نصاب میں داخل کر سکتے ہیں مگر مدارس سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ ڈاکٹرز اور انجینئر معاشرہ کو فراہم کریں۔بقول حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم،ایسا ہی ہے جیسے کسی میڈیکل کالج کے نصاب میں انجینئرنگ کی کتابیں داخل کرنا یا کسی انجینئرنگ کالج میں ڈاکٹری کی کتابیں داخل کرنا۔ظاہر ہے کہ اس کو حماقت تصور کیا جاتا ہے،تو مدارس سے یہ مطالبہ بالکل ایسا ہی ہے،جیسے آم کے درخت سے انار یا انگور کی امید رکھنا۔

بہر حال اس مضمون کا مقصد،صرف قیام مدارس کا بیان کرنا تھا جو اختصاراً بیان کر دیا گیا،الحمدللہ! مدارس اپنے مقصد میں کامیاب ہیں اور ان شاء اللہ کامیاب رہیں گے،ان ہی مدارس نے حضرت تھانویؒ،حضرت گنگوہیؒ،قاضی مجاہد الاسلامؒ،مولانا علی میاں ندویؒ،

مولانا تقی عثمانی، مفتی شفیع صاحبؒ، علامہ ادریس کاندھلویؒ، علامہ بنوریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ظفر عثمانیؒ، شیخ زکریاؒ، قاری طیب صاحبؒ، حضرت مدنیؒ، علامہ کشمیریؒ، عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطین علم وفضل امت کو عطا کیے اور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹرز اور سائنس داں کا مطالبہ علی گڑھ اور جامعہ ملیہ سے کرو، جو اسی مقصد پر قائم کیے گئے تھے۔

مدارس نے امت کو کیا دیا؟

مدارس کیسے چلتے ہیں اور انہیں کیسے چلایا جاتا ہے، اسے تو اللہ ہی خوب بہتر جانتے ہیں، کتنی قربانیوں اور کیسے کیسے طعنوں اور در بدر کی ٹھوکروں کے نتیجہ میں یہ اپنی خدمات میں مصروف ہیں، وہ کوئی پوشیدہ نہیں، سبھی جانتے ہیں، ایک طرف اعدائے اسلام ان کو "بنیاد پرست"، "رجعت پسند"، "دہشت گرد"، "قدامت پسند" کا طعنہ دیتے ہیں اور دوسری جانب روشن خیال مسلمان جو مدارس کے نادان دوست ہیں، وہ اپنی خطاؤں سے مدارس کو موردالزام ٹھہرا دیتے ہیں، انجینئرز اور ڈاکٹرز اور سائنس داں پیدا کرنے کا بیڑا اہم اہلِ مدارس نے لیا ہی کہاں ہے؟ یہ بات الگ ہے کہ دینی مدارس اب نونہالانِ امت کے ایمان کو بچانے کے لیے دینی ماحول میں عصری تعلیم کی طرف بھی توجہ دے رہے ہیں، مگر اس پر بھی امت کا ایک طبقہ ان کو نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ عجیب صورت حال، امت کو ہر جانب سے مدارس ہی کو نشانہ بنانے کی سوجھتی ہے، مگر مدارس الحمدللہ! اللہ کی توفیق اور مدد سے برابر اپنی خدمت میں بلا کسی لومۃ لائم کی پرواہ کیے مصروف کار رہیں؛ اللہ، ہمارے ان مدارس کو ہر طرح کی داخلی وخارجی، ظاہری وباطنی سازشوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین!

مدارس نے امت کو یہ دیا

لاکھوں نادار افراد کو تعلیم سے بہرہ ور کیا۔ معاشرے میں بنیادی تعلیم اور خواندگی میں معقول اضافہ کیا۔ قرآن وسنت کی تعلیم اور دینی علوم کی اشاعت وفروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ عام مسلمانوں کو دینی رہنمائی اور مذہبی تعلیم کے لیے رجال کار فراہم کیے۔ عام مسلمانوں کے عقائد وعبادات واخلاق اور مذہبی کردار کو تحفظ فراہم کیا۔ اسلام کے خاندانی نظام اور کلچر اور ثقافت کی حفاظت کی۔ اسلامی عقائد اور احکامات کی اشاعت کی اور اس پر ہونے والے اعتراضات وشبہات کا جواب دیا۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات، عقائد اور احکام کی ہر طرح کی بغاوت اور تحریف سے حفاظت کی اور راسخ العقیدگی کو تحفظ دیا۔ مادہ پرستی، اور خود غرضی کے دور میں قناعت اور ایثار وسادگی کو مسلمانوں کے ایک طبقہ میں باقی رکھا۔

وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کو عملی نمونہ کے طور پر باقی رکھا۔ مذکورہ چیزیں امت کو دیں، دے رہے ہیں اور انشاء اللہ! دیتے رہیں گے۔ اس طرح ان مدارس نے صرف مسلمانوں ہی نہیں، بل کہ پوری نسل انسانی کو آسمانی حقیقی سرچشمہ تک رسائی میں مرکزی کردار ادا کر کے، پوری انسانیت کی جانب سے فرض کفایہ ادا کیا، لہٰذا ساری انسانیت کو ان مدارس کا ممنون ومشکور ہونا چاہیے۔

مسئلہ معاش اور اسلامی تعلیمات

مفتی ابوالخیر عارف محمود

متوازن معیشت

مارکیٹ کو سرمایہ داروں کے تسلط اور دیگر مفاسد سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسلام کے معیشت کے حوالے سے بیان کردہ احکامات سے واقف ہوں اور ان پر عمل پیرا ہوں، تاکہ شخصی آزادی اور مارکیٹ کی آزاد فضا کے درمیان توازن اور معاشرہ کی آزادی کے درمیان بھی توازن قائم ہو سکے۔ اسلام کے بتائے ہوئے احکام میں سود، قمار اور سٹہ بازی کی حرمت خاص اہمیت رکھتی ہے، کیوں کہ یہی وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعے سے مال و سرمایہ سمٹ کر صرف چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آجاتا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ سرمایہ داری اور مادیت کا طوفان انہی مذکورہ بالا اسباب کے نتیجے میں برپا ہوا، اور آج پورے خطہ ارضی کو اپنے لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ ذخیرہ اندوزی، قافلوں کی شہر میں آمد سے قبل ہی خرید و فروخت، شہری کا دیہاتی کے لیے معاملہ اور تمام بیوعات فاسدہ اور باطلہ کی حرمت کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان سے مارکیٹ کی فطری اصول متاثر ہوتے ہیں، رسد و طلب کے قوانین معطل ہو کر چند سرمایہ داروں کے ہاتھ کھلونا بن کر رہ جاتے ہیں۔
(تکملہ فتح الملہم: البیوع، المذھب الاقتصادی الاسلامی: 1/311,312)

ذاتی منافع کے محرک پر عائد اسلامی پابندیاں

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی منافع کے محرک کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ خرابیاں پیدا ہوئیں جن کا ذکر گذشتہ سطور میں کیا گیا، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ذاتی منافع کے محرک پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں وہ تین طرح کی ہیں:

خدائی پابندیاں

سب سے پہلے تو اسلام نے معاشی سرگرمیوں پر حلال و حرام کی کچھ ایسی ابدی پابندیاں عائد کی ہیں جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں نافذ العمل ہیں، یہ پابندیاں نہ صرف عقل انسانی کے موافق ہیں، بلکہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے ان کو ابدی حیثیت بھی دی گئی ہے، تاکہ کوئی مادہ پرست اور فاسد العقل شخص اپنی عقلی تاویلات فاسدہ کے ذریعے ان سے چھٹکارا حاصل کر کے معیشت اور معاشرے کو ناہمواریوں میں مبتلا نہ کر سکے۔ تکملہ فتح الملہم میں ان پابندیوں کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:
"فلايجوز لأحد من المكتسبين أن يكسب المال بطريقة غير مشروعة من الربو، والقمار، والتخمين، وسائر البيوع الفاسدة، أو الباطلة" (تکملة فتح الملهم، كتاب البيوع، المذهب الاقتصادي الإسلامي: 1/312، مكتبة

دار العلوم کراتشی) یعنی "کسی تاجر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ سود، قمار، سٹہ بازی اور دیگر تمام بیوع فاسدہ وباطلہ کے غیر مشروع طریقہ سے مال کمائے"۔ (کیوں کہ یہ چیزیں عموماً اجارہ داریوں کے قیام کا ذریعہ بنتی ہیں)۔

حکومتی پابندیاں

عام حالات میں جب کہ معاملات ہدایات الٰہیہ کی روشنی میں انجام دیے جا رہے ہوں، تو اسلام معاشی سرگرمیوں میں حکومت کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا، البتہ اگر کوئی عمومی مصلحت ہو، یا کوئی اپنی ذاتی اجارہ داری قائم کر رہا ہو تو حکومت وقت تاجروں پر ایسی پابندیاں عائد کر سکتی ہے، جن سے معیشت ناہمواری کا شکار ہونے سے بچ جائے۔ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازار تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص کوئی چیز اس کے معروف نرخ سے بہت کم داموں میں فروخت کر رہا ہے، تو آپ نے اس سے فرمایا: "إماأن تزیدفی السعر، وإماأن ترفع من سوقنا" (مؤطاالإمام مالک، کتاب البیوع، باب الحکرۃ والتربص، ص:591) "یا تم دام میں اضافہ کرو، ورنہ ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ"۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حکومت کسی مصلحت کے تحت کوئی پابندی عائد کر سکتی ہے؛ کیوں کہ مارکیٹ میں اگر کوئی معروف نرخ سے کم قیمت پر خرید وفروخت کرے تو اس سے دیگر تاجروں کے لیے جائز نفع کا راستہ بند ہو سکتا ہے، لہٰذا اس سے کہا گیا یا تم معروف نرخ پر فروخت کرو، ورنہ یہ بازار چھوڑ کر چلے جاؤ۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حکومت کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں قرآن وسنت کے کسی حکم سے متصادم نہ ہوں، وگرنہ وہ پابندیاں قابل التفات وقابل عمل نہیں ہوں گی، کیوں کہ اسلام ہمیں اس کی تعلیم دیتا ہے کہ خدائی احکام کے مقابلہ میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے: "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" (مشکاۃ، کتاب الامارۃ والقضا، رقم الحدیث: 3696:(3/8) (ترجمہ): "خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔

اخلاقی پابندیاں

اسلامی تعلیمات میں قدم قدم پر انسان کو یہ بتایا گیا ہے کہ معاشی سرگرمیاں اور ان سے حاصل ہونے والے مادی فوائد انسان کی زندگی کا منتہائے مقصود نہیں، بلکہ وجہ تخلیق آدم اخروی زندگی کی لازوال کامیابیوں کا حصول ہے، اگر کائنات کے کسی بھی خطے میں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اور احکام کا مکمل نفاذ ہو تو وہاں سے اشتراکیت، شیوعیت اور سرمایہ داریت کے تمام زہریلے اثرات ختم ہو جائیں گے، جس کے نتیجہ میں وہاں ظلم، قساوت اور نفس پرستی سے پاک معیشت وجود میں آئے گی۔ (تکملہ فتح الملہم، کتاب البیوع، المذہب الاقتصادی الاسلامی: 1/313،)

اسلام نے تجارت ومعیشت کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنے کے لیے جو ضوابط وقوانین مقرر کیے ہیں وہ نہ صرف دنیا میں حلال رزق کے حصول کا ذریعہ ہیں، بلکہ آخرت میں اعلی درجات کا باعث بھی ہیں۔

عقیدہ، اخلاق اور معیشت

اسلام نے معیشت کی بنیاد عقیدہ اور اخلاق پر رکھی ہے اور وہ تجار کو فہمائش کرتا ہے کہ اللہ ان کے ہر ڈھکے چھپے کو ہر وقت دیکھتا اور جانتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً۔ (النساء: 1) اسلام تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی قرار دے کر ان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند کریں جو انہیں اپنے لیے پسند ہے: "لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه مایحب لنفسه" (البخاری، الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه۔ رقم: 13) "تم میں کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

غور فرمائیں! جب ایک مسلمان دوسرے کے لیے وہی پسند کرے گا جو اس کی اپنی پسند ہے تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ وہ ناپ تول میں کمی کر کے، یا عیب دار اور ناقص چیز فروخت کر کے زیادہ اور کھرے مال کی قیمت وصول کرے اور یوں اپنے بھائی کا معاشی استحصال کرے، اسلام تو اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ عیوب کو چھپا کر چیزوں کو فروخت نہ کریں، ورنہ ان کا یہ عمل نہ صرف ان کے کاروبار سے برکت کو ختم کر دے گا، بلکہ اللہ کی لعنت کا باعث بھی بن جائے گا، حدیث شریف میں اس مضمون کو یوں بیان فرمایا گیا ہے: "من باع عیبا لم یبینه، لم یزل فی مقت الله، أو لم تزل الملائکة تلعنه" (ابن ماجه، التجارات، باب من باع عیبا فلیبینه (رقم: 2247) (ترجمہ) "جس کسی نے کوئی شئ فروخت کی جس کے عیب پر اس نے خریدار کو آگاہ نہیں کیا تھا، تو وہ ہمیشہ اللہ کے غصہ میں رہے گا، یا فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے"۔

اسی طرح اسلامی تعلیمات میں یہ بھی ہے کہ خرید و فروخت کرنے والا با اخلاق ہو، نرم خوئی اس کی طبیعت میں رچی بسی ہوئی ہو، دوران معاملہ عزت نفس کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دے، ایسے افراد کے لیے زبان نبوت سے ان الفاظ میں دعا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں: "رحم الله رجلا سمحا إذا باع وإذا اشتری وإذا اقتضی" (البخاری، البیوع، باب: السهولة والسماحة فی الشراء والبیع۔ رقم: 2075) (ترجمہ) "اللہ کی رحمت ہو اس شخص پر کہ جب کبھی بیچے، خریدے یا قرض لینے کا مطالبہ کرے تو نرم گوئی سے کرے اور درگزر کرے"۔ ذیل میں ہم کچھ خدائی قیودات اور اخلاقی پابندیوں کا ذکر کرتے ہیں:

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

معیشت کے عمل کو صاف شفاف رکھنے اور اجارہ داریوں سے حفاظت کے پیش نظر اسلام نے ذخیرہ اندوزی (Hoarding) کو اس کی تمام انواع و اقسام کے ساتھ ممنوع قرار دیا ہے اور اسلامی حکومت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اس ملعون عمل کو روکنے کے لیے دخل اندازی کرے۔ جو تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کرے اور پھر مارکیٹ میں اپنا مال اپنی مرضی کی قیمت پر فروخت کرے، اسے خطا کار اور ملعون قرار دیا گیا ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "من احتکر یرید أن یتعالی بها علی المسلمین فهو خاطئ" (المستدرک للحاکم، البیوع، رقم: 2211، 2/145) (ترجمہ)

"جس نے ذخیرہ اندوزی اس ارادہ سے کی کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس چیز کی قیمت چڑھائے وہ خطا کار ہے"۔

دوسری روایت میں ہے: "الجالب مرزوق والمحتکر ملعون" (ابن ماجہ، التجارات، باب الحکرۃ والجلب، رقم: 2153):3/518) "تاجر کو (اللہ تعالی کی طرف سے) رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے"۔

اسلام کے قانون تجارت نے ذخیرہ اندوزی کی تمام ممکنہ صورتوں کو بھی مردود قرار دیا ہے، دور حاضر میں سرمایہ دار بسا اوقات کسی جنس کو مکمل طور پر مارکیٹ سے خریدتے ہیں، یا پھر وہ جنس صرف ان کے کارخانے اور مل میں بنتی ہے، اسے ذخیرہ کر لیتے ہیں، پھر بعد ازاں اپنی مرضی سے رسد وطلب میں عدم توازن قائم کر کے من مانی قیمتیں وصول کرتے ہیں،

ذخیرہ اندوزی کی مہذب صورتیں

موجودہ دور میں ذخیرہ اندوزی کی مندرجہ ذیل مہذب صورتیں رائج ہیں:

شرکت قابضہ

ایسی شرکت میں پیداواری کاروبار کے اکثر حصص حصہ دار ہی خریدتے ہیں، لہذا وہ کسی شے یا خدمت کی پیداواری حد اور قیمت اپنی مرضی سے معین کرتے ہیں اور یوں خریداروں کا استحصال کرتے ہیں۔

اوماج

یہ ایک ایسا استحصالی طریقہ ہے جس میں چند کمپنیاں مل کر ایک وحدت (Uonit) قائم کرتی ہیں، جس سے اشیا کی پیداوار اور قیمتوں پر ان کی اجارہ داری قائم ہوجاتی ہے، وہ اپنی مرضی سے اشیا کی پیداوار کو بڑھاتے اور گھٹاتے ہیں، مارکیٹ میں ضرورت کے باوجود صرف قیمتیں بڑھانے کے لیے اسے گوداموں میں اسٹاک کر دیا جاتا ہے اور قیمتیں چڑھ جانے کے بعد بیچا جاتا ہے۔

وحدت قیمت

سرمایہ دارانہ نظام کی "آفات" میں سے یہ بھی ہے کہ چند مل مالکان یا کارخانہ دار مل کر کسی شے کی بازار میں ایک قیمت طے کر لیتے ہیں، چوں کہ وہ شے ان کے علاوہ کوئی اور نہیں بناتا، تو اس متعین قیمت سے کم پر کہیں اور سے دست یاب نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے گاہک ان کی من مانی قیمت پر خریداری کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، یوں اس طرح سرمایہ دار عوام کا استحصال کر کے اپنے نفع کا زیادہ سے زیادہ حصول ممکن بنا لیتے ہیں۔

سود کی حرمت

دنیا کے قدیم اور جدید معاشی نظریوں میں سود کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، سرمایہ دارانہ نظام نے پورے معاشی ڈھانچے اور کاروباری لین دین کو کچھ اس طرح ترتیب دیا ہے کہ سود بین الاقوامی طور پر معاملات میں جزو لاینفک کی حیثیت

اختیار کر چکا ہے، معاشی تعلقات کے انفرادی اور اجتماعی تمام پہلو اس کینسر میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ سود اور اس کی تمام اقسام، حتی کہ شبہ سود سے بھی مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے، مسلمان ہونے کے باوجود کسی کے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ سودی معاملات میں ملوث ہو، اللہ نے سود کی حرمت کو نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا﴾ (البقرة: 275) اس جرم میں ملوث افراد کو شدید ترین وعید سنائی گئی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِه (البقرة: 278)

(ترجمہ) ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سود کی باقی (تمام رقم) چھوڑ دو، اگر تم واقعی ایمان دار ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو“۔

سودی معاملات میں کسی بھی طرح ملوث ہونے والے پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے، اللہ کے رسول کا ارشاد ہے: ”لعن اللّٰہ آکل الربوا و موکله و کاتبه و شاهدیه، و قال: هم سواء“ (مسلم، المساقاة، باب لعن آکل الربوا و موکله، رقم: 4093) (ترجمہ) ”اللہ نے سود خور اور سود کھلانے والے اور سودی دستاویز لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ اللہ کی لعنت میں وہ سب برابر ہیں“۔ سودی معاملات اور سود خواری کی شناعت وقباحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”الربا سبعون حوبا أیسرها نکاح الرجل أمّه“ (المصنف لابن أبی شیبة، کتاب البیوع و الأقضیة، (رقم: 22437): 11/319،) (ترجمہ) ”سود کے ستر گناہ ہیں، (یعنی اس کے گناہ کے ستر درجے ہیں) اس کا کم تر درجہ آدمی کا اپنی ماں سے ہمبستری کرنا ہے“۔

ملاوٹ سے ممانعت

کسب معاش کی جدوجہد کے دوران حصول دولت کی بعض آسان راہیں بھی نکلتی ہیں، اشیائے صرف کی کوالٹی کو تبدیل کر کے گھٹیا اور معمولی شے کو صحیح داموں میں فروخت کرنا، ملاوٹ سے کام لینا عصر حاضر میں ہنر اور نفع آوری کا بہترین ذریعہ بن چکا ہے، اسلام میں اس طرح کے عمل کو نہایت قبیح اور انسانیت سوز قرار دے کر ممنوع قرار دیا گیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاوٹ کرنے والوں کو انتہائی شدید وعید سنائی ہے: ”من غش فلیس منا“ (مسلم، الإیمان، باب قول النبی ﷺ: من غش فلیس منا (رقم الحدیث: 283) (ترجمہ) ”جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں“۔

مدینہ منورہ میں ایک بازار سے گزرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کے ڈھیر کی نچلی سطح کو گیلا پا کر اس کے تاجر سے ارشاد فرمایا: ”أفلا جعلته فوق الطعام کی یراه الناس“ (حواله سابق)

(ترجمہ) ” گیلی گندم کو اس ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں ڈالتا تا کہ لوگ اسے بہ آسانی دیکھ سکیں؟“۔

بغیر عیب بتائے شے کو فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے: ارشاد نبوی ہے: ”لا یحل لمسلم باع من أخیه بیعا فیه عیب إلا بینه“ (ابن ماجه، التجارات، باب من باع عیبا فلیبینه (رقم الحدیث: 2246): 3/578) (ترجمہ) ”کسی

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ بغیر بتائے کسی عیب دار چیز کو دینی بھائی کے ہاتھ فروخت کرے"۔غرض اسلام نے ملاوٹ اوردھوکہ دہی کے تمام چوردروازوں کو بند کر کے ایک مامون اور پاکیزہ معیشت کا ماحول فراہم کیا ہے۔

رشوت اور سٹہ بازی کی ممانعت

آج کی معاشی زندگی میں رشوت معاشرہ کا ایک جزولاینفک بن چکا ہے،لوگ اسے آسان اور سہل ذرائع آمدنی میں شمار کرتے ہیں،اسلام نے اسے ان الفاظ میں ممنوع قرار دیا:"لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي"۔ (الترمذی، الأحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، (رقم:1337) (ترجمہ)"رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے"۔جوا،سٹہ،قماربازی،شراب سازی وشراب فروشی،زنااورمحرکات زنااوردیگرمخرب اخلاق کام،جن سے معاشرے کا اخلاقی معیار پست ہوتا ہے،اسلام ایسے ذرائع آمدنی ووسائلِ دولت کوکسب معاش کے اسباب کے طور پر اختیار کرنے سے منع فرماتا ہے،موجودہ دور میں لاٹری،ریس،سٹہ بازی کی مختلف صورتیں جنہیں جدید ترین سائنٹیفک بنیادوں پر رواج دیا گیا ہے، وہ بھی اسلامی نقطۂ نظر سے ممنوع قرار پاتی ہیں،قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوه﴾(المائدہ: 90)(ترجمہ)"بے شک شراب،جوا،بت اور(پانسے)جوئے کے تیرسب ناپاک ہیں اورکارشیطان ہیں،ان سے بچو"۔

اجرت زنا کی حرمت

زناکاری کوبطورذریعہ معاش اپنانے سے منع کرتے ہوئے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زناکاری کی اجرت کوناجائز قرار دیا،حضرت ابومسعودانصاری فرماتے ہیں:"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب ومهر البغي وحلوان الكاهن"(النسائی، الصید والذبائح، النہی عن ثمن الکلب (رقم:4303)

(ترجمہ)"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت،زنا کی اجرت اورکہانت کا معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے"۔

اسی طرح فلم سازی،فلم فروشی ،ٹی وی،وی سی آراورجرائد کے ذریعہ مخرب اخلاق مناظراورلٹریچر کی ترویج واشاعت،ڈانسنگ کلب اورتھیٹر،غیر اخلاقی کام اورجان داروں کی تصویرسازی وغیرہ تمام مخرب ایمان واخلاق ذرائع آمدن سے اسلام منع کرتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:"إن الله إذا حرّم شيئا حرّم ثمنه"(صحیح ابن حبان البیوع، ذكر الخبر الدال على أن بيع الخنازير--رقم:4938): 11/313)(ترجمہ)"اللہ تعالی نے جس چیز کوحرام کیا ہے اس کی قیمت کوبھی حرام فرمایا ہے"۔

مضبوط خاندان مضبوط سماج

محی الدین غازی

انسانی سماج کے سب سے زیادہ حسین اور دل کش نظارے خاندان کے دائرے میں نظر آتے ہیں۔شوہر اور بیوی کی محبت، ماں باپ کی شفقت، چھوٹوں سے پیار، بڑوں کا احترام، بیماروں کی تیمارداری، معذوروں کی مدد، بوڑھوں کو سہارا، ایک دوسرے کے کام آنا، سب کو اپنا سمجھنا، خوشی اور غم کے مواقع پر جمع ہوجانا۔غرض خاندان ایک چھوٹا سماج ہوتا ہے، اور یہ چھوٹا سماج جتنا زیادہ مضبوط اور خوب صورت ہوتا ہے، بڑے سماج کے لیے اتنا ہی زیادہ مفید اور مددگار رہتا ہے۔اللہ کے دین کی برکتوں کا سب سے کم محنت سے سب زیادہ ظہور خاندان کے دائرے میں ہوتا ہے۔اس دائرے میں رہتے ہوئے اقامت دین کی راہ کے بہت سے تجربات اور مشاہدات ممکن ہوجاتے ہیں۔گھر بھی ایک درجے کی ریاست ہوتی ہے اور اسے مثالی اسلامی ریاست بنانا اقامت دین کے سفر کی ایک اہم منزل ہے۔یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جہاں ریاست کے امام کو اس کی ذمے داری یاد دلائی وہیں گھر کے افراد کو بھی ان کی ذمے داریاں یاد دلائیں۔آپ نے فرمایا: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، الإِمَامُ رَاعٍ وَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَ مَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا۔(تم سب ذمے دار ہو اور تم سب اپنی رعایا کے سلسلے میں جواب دہ ہو۔امام ذمے دار ہے اور اپنی رعایا کے سلسلے میں جواب دہ ہے۔اور مرد اپنے اہل خانہ میں ذمے دار ہے اور وہ اپنی رعایا کے سلسلے میں جواب دہ ہے۔اور عورت اپنے شوہر کے گھر میں ذمے دار ہے اور وہ اپنی رعایا کے سلسلے میں جواب دہ ہے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان میں مرد کی حیثیت بھی ذمے دار کی ہے اور عورت کی حیثیت بھی ذمے دار کی ہے، اور ان کا گھران کے لیے رعایا کی حیثیت رکھتا ہے۔بہتر خاندان کی تشکیل کی ذمے داری اور جواب دہی دونوں پر عائد ہوتی ہے۔مضبوط خاندان کی ٹھوس بنیادیں دور جدید میں جب کہ ہر چیز کی مادی توجیہ کی جاتی ہے، یہ سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ خاندان محض ایک سماجی رواج ہے جو وقتی ضرورتوں کے تحت وجود میں آیا اور جب وہ ضرورت باقی نہیں رہے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی انسان کے ارتقا کا تقاضا ہے۔اسلام اس تصور کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا ہے۔

وہ خاندان کو نوع انسانی کا ایک ناگزیر عنصر مانتا ہے، جس سے علیحدگی اور دوری نوع انسانی کے لیے خطرناک حد تک نقصان دہ ہے۔اسلام میں خاندان کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور اس کی مضبوطی کے لیے ٹھوس اور گہری بنیادیں فراہم کی گئی ہیں۔رشتے ناطے امتحان ہیں اسلام کا تصور یہ ہے کہ انسان کی زندگی ایک امتحان ہے اور رشتے اس امتحان کا ایک اہم حصہ ہیں۔امتحان کی نفسیاتی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آسان سوالوں کو انسان خوش دلی سے حل کرتا ہے اور مشکل

سوالوں کو درست طریقے سے حل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائی صرف کر دیتا ہے۔

رشتوں کو امتحان مان لینے کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ہر رشتے کو خوبی کے ساتھ نباہ لینے کی کوشش کرتا ہے خواہ اس کے لیے اسے کتنی ہی مشقت اٹھانی پڑے۔ دشوار صفت رشتے نباہ لینے میں اسے کامیابی ملتی ہے تو وہ اسی طرح خوش ہوتا ہے جس طرح ایک مشکل سوال حل کر لینے پر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ امتحان کا تصور رشتوں کے ساتھ تعامل کی کیفیت کو بالکل بدل دیتا ہے۔ پھر انسان مسائل سامنے آنے پر رشتوں سے فرار نہیں اختیار کرتا ہے بلکہ رشتوں کو نباہنے کی ذمہ داری کو قبول کرتا ہے۔ رشتے انسان کا امتیاز ہیں خاندان اور رشتوں کا جو نظام انسان کو حاصل ہے وہ صرف انسانوں کا امتیاز ہے، اور انسانی شرف کی ایک علامت ہے۔ رشتوں کا یہ نظام حالات وضروریات کے تحت انسانوں کی اپنی اختراع نہیں ہے، بلکہ زندگی کے دیگر امتیازی انتظامات کی طرح یہ خاص انسانی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا امتیازی انتظام ہے جو انسانوں کو خصوصی طور پر عطا کیا گیا ہے۔

انسانی ضرورتوں کی تکمیل غول اور جھنڈ سے پوری نہیں ہو سکتی ہے، اسے قدم قدم پر رشتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمام رشتے اللہ نے بنائے ہیں، اس لیے انھیں خاص تقدس اور احترام حاصل ہے۔ ان کو توڑنا یا ان کی بے حرمتی کرنا اللہ کے حدود سے تجاوز کرنا اور اللہ کی نافرمانی کرنا ہے۔ اسی لیے اللہ کی ناراضگی کا خوف رشتوں کا سب سے بڑا محافظ ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو زمین میں خلافت کا جو بڑا مقام عطا کیا ہے، اس کے لیے خاندان اور رشتوں کے اس نظام کا ہونا لازمی تھا۔ ان رشتوں کے ساتھ صحیح تعامل کرتے ہوئے انسان خلافت کی ذمہ داری کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشتوں کو نباہنے کا فطری جذبہ ہونے کے باوجود اللہ تعالی اس کی بار بار تاکید بھی کرتا ہے۔

تمام رشتے محبت واحترام کے رشتے ہیں جب تمام رشتوں کا ایک سرا اللہ سے ملتا ہے، اس معنی میں کہ اللہ رشتوں کا خالق ہے، اور اس نے رشتوں کی پاس داری کا حکم دیا ہے، تو پھر بلا تفریق تمام رشتوں کی پاس داری ضروری قرار پاتی ہے۔ رشتوں میں مراتب کا فرق تو ہو سکتا ہے، لیکن رشتوں میں ایسی تفریق جائز نہیں ہے کہ کچھ رشتوں کو باقی رکھا جائے اور کچھ کو ختم کر دیا جائے۔ غرض خرابی انسانوں کے اندر تو ہو سکتی ہے، لیکن خود رشتوں میں کوئی ایسی خرابی نہیں پائی جاتی کہ کسی رشتے کو نفرت کا رشتہ قرار دیا جائے۔ رشتے انسان کا پیدائشی اور بنیادی حق ہیں یہ اللہ کی حکمتِ تخلیق ہے، اور انسان پر اس کا بہت بڑا کرم ہے کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو دو بڑے خاندانوں کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی اسے دو بڑے خاندانوں سے تعلق عطا ہو جاتا ہے۔ یہ پیدا ہونے والے انسان پر اللہ کی خصوصی عنایت ہوتی ہے۔

جو لوگ خاندان کے ادارے سے باہر، شادی کے بغیر، ناجائز طریقے سے بچے کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں وہ اس پیدا ہونے والے بچے پر اس پہلو سے بھی ظلم کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اپنے خاندان سے کٹے رہتے ہیں اور پیدا ہونے والے بچوں کو دو خاندانوں کی خوش گوار فضا نہیں مہیا کرتے ہیں وہ بھی اپنے بچوں کو ان کے پیدائشی اور بنیادی حق سے محروم کر دیتے ہیں۔ ہر بچے کا حق ہے کہ اسے ننھیال اور ددھیال دونوں حاصل ہوں، اور والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ بچے کو

اس حق سے محروم نہ ہونے دیں۔ رشتے انسان کی بھلائی کے جذبے کو تکمیل کے مواقع فراہم کرتے ہیں انسان کے اندرون کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب وہ بیرونی دنیا سے جڑے ہوئے اپنے اندر موجود متنوع جذبوں کی تکمیل کرتا ہے۔ خاندان کی دنیا میں ایک انسان کو اپنے بہت سے جذبوں کی تکمیل کا موقع حاصل ہوتا ہے، اور یہ تمام مواقع اس کے اردگرد بہت قریب ہوتے ہیں۔ بڑے بوڑھوں کے ساتھ تعلق، چھوٹے بچوں کے ساتھ تعلق، ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ تعلق، شفقت کا جذبہ، خدمت کا جذبہ، محبت کا جذبہ، غم بانٹنے اور خوشی میں شریک کرنے کا جذبہ، دوسروں کو خوش دیکھ کر خوش ہونے کا خوب صورت احساس، دوسروں کے دکھ کو دور کرنے کا ناقابل بیان لطف۔

غرض نیکی اور بھلائی کے بہت سے جذبے جو انسانوں کی خصوصیت ہیں اپنی تکمیل کا سامان خاندان کی دنیا میں آسانی سے پالیتے ہیں۔ رشتے تکافل وتعاون کی بڑی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ تکافل انسان کی بہت بڑی ضرورت ہے، تکافل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ آپس میں معاہدہ کرلے کہ اس گروہ میں کسی کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو سب مل کر اس کے نقصان کی تلافی کردیں گے۔ جتنے لوگ کسی ایک تکافل کے معاہدے میں شریک ہوتے ہیں وہ سب ایک دوسرے کی حسب معاہدہ کفالت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ اس نظام کی افادیت سے انکار نہیں ہے، تاہم مادہ پرست دنیا میں تکافل کا یہ نظام تجارت کاری کے تحت آجاتا ہے، اور عام طور سے استحصال کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو خاندان کی صورت میں تکافل کا فطری اور جذبات سے بھرپور نظام عطا کیا ہے۔ مضبوط خاندان میں حادثات اور حالات کا شکار ہونے والا ہر فرد اپنی طرف بہت سے ہاتھوں کو بڑھتا ہوا پاتا ہے۔ مضبوط خاندان میں رہنے والا فرد سکون اور اطمینان کی زندگی گزارتا ہے، اور اس کے دل کو بے شمار اندیشے خوف زدہ اور پریشان نہیں رکھتے ہیں۔ رشتے سماج میں انسان کی حصے داری کو یقینی بناتے ہیں۔

خاندان کے افراد کی طرف کفالت کا ہاتھ بڑھانے والے ایک طرح سے سماجی کفالت میں حصہ لیتے ہیں۔ اسے اس طرح سمجھا جائے کہ اگر کسی خاندان میں ایک یتیم کی کفالت کا انتظام نہیں ہو پاتا ہے تو وہ یتیم پورے معاشرے پر بوجھ ہوتا ہے۔ جب کہ اگر یتیم کی کفالت کا خاندان کے اندر ہی انتظام ہوجائے تو معاشرے پر یہ بوجھ نہیں پڑتا ہے۔ غرض یہ کہ اگر ہر خاندان کے افراد مل جل کر اپنے مسائل کو خود حل کرنے لگیں تو سماج میں مسائل کی شرح بہت کم رہ جائے گی۔ اسی طرح اگر اعلی اقدار کی تخم ریزی اور ان کے پودوں کی سیرابی خاندان کے اندر ہی ہوتی رہے تو ہر خاندان معاشرے کے لیے باعث خیر ورحمت بن جائے۔

رشتے انسان کو خوشی اور غم بانٹنے کا پلیٹ فارم دیتے ہیں انسان تنہا خوشی نہیں منا سکتا ہے، اسے خوشی منانے کے لیے انسانوں کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے۔ انسان تنہا غم بھی نہیں سہار سکتا ہے، غم سہارنے کے لیے غم کو بانٹنے والے درکار ہوتے ہیں۔ خاندان مل جل کر خوشی منانے اور مل جل کر غم بانٹنے کے لیے ایک فطری پلیٹ فارم دیتا ہے۔ اللہ تعالی نے زندگی کی صورت گری ایسی کی ہے کہ اس میں بوجھ بھی بہت ہیں اور خوشیاں بھی بہت ہیں۔ زندگی کا بوجھ تنہا اٹھانا ممکن نہیں ہوتا ہے، زندگی کا سکھ بھی تنہا حاصل کرلینا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ مضبوط خاندان اسے یقینی بناتا ہے کہ انسان زندگی کا بوجھ بھی آسانی سے اٹھالے اور زندگی کے سکھ

بھی حاصل کر سکے۔ مضبوط خاندان کے خدو خال خاندان کو مضبوط بنانے کے لیے عقل کے تقاضے بھی بھر پور رہ نمائی کرتے ہیں، تاہم دینی رہ نمائی ان تقاضوں کی تکمیل کے لیے طاقت ور محرک ہوتی ہے۔

یہ دینی محرک انسان کو مشکل سے مشکل حالات میں مضبوط موقف اختیار کرنے پر آمادہ رکھتا ہے۔ عقل کے سامنے دنیا کی سعادت ہوتی ہے، جب کہ دین دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔ صرف عقل کی بنیاد پر تعمیر ہونے والی عمارت خواہشات اور حادثات کا صدمہ برداشت نہیں کر پاتی ہے۔ دین کی بنیاد پر تعمیر ہونے والی عمارت بہت ٹھوس اور مستحکم ہوتی ہے، ہر جھٹکے کو برداشت کر لیتی ہے۔ غرض مضبوط خاندان کی تشکیل عقل کا تقاضا بھی ہے اور دین کا تقاضا بھی ہے۔ عقل بھی رہ نمائی کرتی ہے اور دین بھی رہ نمائی کرتا ہے۔ مومن کی خوش نصیبی یہ ہے کہ وہ دونوں سے فیض اٹھاتا ہے۔ مضبوط خاندان میں اعلی اصولوں کی پاس داری ہوتی ہے، اجتماعی معاملات میں عدل اسلام کا سب سے اہم اصول ہے، اس اصول کو برتنے میں سب لوگ شامل ہو جائیں تو خاندان مضبوط ہو جاتا ہے۔ خاندان کے تمام افراد کے درمیان عدل کیا جائے، مردوں اور عورتوں میں یا بیٹیوں اور بہوؤں یا دیگر افراد کے درمیان ایسا فرق جو ظلم کی حد تک پہنچ جائے اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے اور خاندان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ عدل ہی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ خاندان کے مشترک فیصلے مشاورت اور باہمی رضا مندی سے ہوں۔ اجتماعی زندگی میں من مانی کرنے کا رویہ ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے اور بہت دنوں تک رشتوں کو برقرار نہیں رہنے دیتا ہے۔ غرض خاندان کا اعلی اقدار اور اصولوں سے رشتہ جتنا مضبوط رہے گا خاندان کی کڑیاں اسی قدر مستحکم رہیں گی۔

مضبوط خاندان میں لطیف جذبات کی رعایت کی جاتی ہے جذبات کو نازیبا الفاظ بھی ٹھیس پہنچاتے ہیں اور نا روا خاموشی بھی۔ بڑی باتوں کا جتنا اثر جذبات پر پڑتا ہے کچھ اتنا ہی اثر چھوٹی باتوں کا بھی پڑتا ہے۔ جذبات ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں اور انسان کی کم زوری یہ ہے کہ اسے صرف اپنے جذبات عزیز ہوتے ہیں۔ رشتوں کی کم زوری کا بڑا سبب جذبات کی یہ انانیت ہے۔ جب لوگ اپنے جذبات کے ساتھ دوسروں کے جذبات کا بھی خیال رکھتے ہیں تو رشتے بے انتہا مضبوط ہو جاتے ہیں۔

مضبوط خاندان میں سب کی کوشش رشتوں کو بچانے کی ہوتی ہے دو افراد میں تلخی ہو جائے اور باقی لوگ اس تلخی کو ختم کرنے کی کوشش کریں تو تلخیوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ رشتوں میں خرابی اس وقت بڑھتی ہے جب دوسرے لوگ اسے بڑھانے میں حصہ لیتے ہیں۔ تلخیوں کو بڑھانے اور رشتوں کے خرمن میں چنگاریوں سے شعلے بھڑکانے کا شوق بہت خراب ہوتا ہے۔ مضبوط خاندان میں حسن اخلاق اور سمجھ داری کی حکومت ہوتی ہے خاندان ایک ایسی اجتماعیت ہے جس میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ تعلق و تعامل اور دوسرے کے رویے پر بہت زیادہ انحصار ہوتا ہے۔ حسن اخلاق اور سمجھ داری ہر اجتماعیت کے لیے ضروری ہوتی ہے، لیکن خاندان کی اجتماعیت تو ان دونوں کے بغیر چل ہی نہیں سکتی ہے۔ خاندان کے تقریباً تمام ہی مسائل کی پشت پر یا تو کسی کی ناسمجھی کارفرما ہوتی ہے یا کسی کی اخلاقی پستی ہوتی ہے۔ ناسمجھی کا علاج سمجھ داری سے ہوتا ہے اور اخلاقی پستی کا مداوا اخلاقی بلندی سے ہوتا ہے۔ خاندان کو مضبوط بنانے کے لیے سمجھ داری اور اخلاق کی عام سطح کو بلند کرنے کی کوششیں کرتے رہنا چاہیے۔ مضبوط خاندان میں

رخنوں کو بھرنے کا انتظام ہوتا ہے رخنے تو ہر خاندان میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن مضبوط خاندان میں انھیں بڑھنے نہیں دیا جاتا ہے بلکہ انھیں بھرنے کے لیے بھی لوگ آمادہ وتیار رہتے ہیں۔ کوئی فرد بیماری کی وجہ سے اپنی ذمے داری ادا نہیں کر پاتا صحت مند لوگ اس کی اس کمی کو پورا کردیتے ہیں، نادار کی طرف سے ہونے والی کوتاہی کی تلافی مال دار کردیتے ہیں، ناسمجھ کی طرف سے ہونے والی غلطیوں کا مداوا سمجھ دار کردیتے ہیں۔ بداخلاق کی طرف سے ہونے والی بدتمیزی کو اعلیٰ اخلاق والے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس کے لیے احسان کی صفت مطلوب ہوتی ہے۔ اسلام اس صفت کی بہت زیادہ ہمت افزائی کرتا ہے۔ مضبوط خاندان میں ایجابی اپروچ ہوتی ہے منفی سوچ خاندان کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتی ہے۔

مثبت سوچ اور ایجابی اپروچ سے خاندان کی فضا خوش گوار اور اس کی دیواریں پائیدار رہتی ہیں۔ شوہر اور بیوی سے لے کر بڑے خاندان تک بے شمار مسائل ایجابی سوچ کے نتیجے میں یا تو پیدا ہی نہیں ہوتے ہیں یا شروع ہی میں ختم ہوجاتے ہیں۔ علیحدہ خاندان اور مشترک خاندان کی بحث ہو، پرانے رواجوں اور نئے فیشنوں کے بیچ ٹکراؤ ہو، کاموں کی تقسیم اور مراتب کے فرق کا مسئلہ ہو، مزاجوں اور طبیعتوں میں میل نہ ہو پانے کی دشواری ہو، غرض ایسی بہت سی الجھنیں مثبت سوچ اور ایجابی اپروچ کے ذریعے خوبی سے حل کی جاسکتی ہیں۔ خاندان کا سررشتہ شوہر اور بیوی کا رشتہ یوں تو خاندان بہت سے رشتوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے، لیکن خاندان کا مرکزی رشتہ شوہر اور بیوی کا رشتہ ہوتا ہے، اسی رشتے سے پھر باقی تمام رشتے وجود میں آتے ہیں۔ یہ رشتہ انسان خود قائم کرتا ہے اور اسے ختم کرنے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہوتا ہے۔

یہ رشتہ قائم ہوتا ہے تو دو بڑے خاندانوں کے بیچ قربت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور جب یہ رشتہ ٹوٹتا ہے تو بہت سے رشتے موتی کے دانوں کی طرح دور دور بکھر جاتے ہیں۔ انسانی زندگی کا اور انسانی خاندانوں کا سفر اسی رشتے کی بدولت جاری وساری ہے۔ اگر خاندان کے تمام لوگ اپنی توجہ اس رشتے کو محفوظ اور مضبوط بنانے پر مرکوز رکھیں تو پورے خاندان میں مضبوطی آتی ہے۔ دورِ جدید میں یوں تو پورے خاندان کا ادارہ شدید خطروں سے دوچار ہے، لیکن سب سے زیادہ خطرہ شوہر اور بیوی کے رشتے کو درپیش ہے۔ پہلے ساس اور بہو کے جھگڑے اور مشترکہ خاندان کے مسائل کا چرچا زیادہ ہوتا تھا، لیکن اب تو سب سے بڑا مسئلہ خود شوہر اور بیوی کے باہمی تعلقات کا بنا ہوا ہے۔ پہلے جہیز وغیرہ کی تباہ کاریاں زیادہ سننے کو ملتی تھیں مگر اب شوہر اور بیوی کے بیچ تناؤ خاندانوں کے لیے بہت بڑا چیلنج بنا ہوا ہے۔ بڑھوا اسلام کی طرف دکھوں کے مارے انسان کو خاندان کے آغوش کی جتنی ضرورت پہلے تھی اس سے کہیں زیادہ آج ہے۔ خاندان میں درآئی خرابیوں کی اصلاح ہوتی رہے، چاہے وہ کتنی ہی پرانی ہوں۔ اس کے اندر سے ظلم اور گھٹن کے اسباب کو دور کیا جائے، چاہے ان اسباب کو کتنا ہی تقدس ملا ہوا ہو۔ خاندان کے اندر اعلیٰ قدروں کو فروغ دیا جائے۔ یہ سب کچھ کرنا ضروری ہے۔ تاہم کسی بھی حوالے سے خاندان سے بیزاری درست نہیں ہے۔ یہ جائے پناہ سے وہ راہ فرار ہے جس کے آگے کوئی جائے پناہ نہیں۔ آج انسانیت کو بہت بڑا خطرہ نئی نسل میں بڑھتی ہوئی خاندان سے بیگانگی اور شادی کے رشتے سے بیزاری سے درپیش ہے۔ اللہ کے دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں انسانیت کو اس خطرے سے بچایا جاسکتا ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن میں عورتوں کا کردار

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

قدرت نے مرد اور عورت دونوں کے درمیان خوب صورت توازن برقرار رکھا ہے، طاقت ایک کو دی ہے، تو حسن وکشش دوسرے کو دے دی ہے، ایک کی گود میں اولاد رکھی ہے، تو دوسرے کے ہاتھ میں رزق کی باگ ڈور تھما دی ہے، ایک کو چاہنے کی خواہش دی ہے تو دوسرے کو چاہت کی مرکزیت عطا کر دی ہے اور دونوں کے درمیان ایسی کشش رکھی ہے کہ جدا ہوتے ہوئے بھی باہم ایک ہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے درمیان کوسوں دور کے فاصلے ہی کیوں نہ حائل ہو جائیں۔ قدرت کا یہ عطا کردہ توازن جب تک معاشرے میں حقوق وفرائض کی ادائیگی کی صورت میں موجود رہتا ہے، انسانی معاشرہ بگاڑ سے محفوظ رہتا ہے، مگر جہاں جہاں اس توازن کو چھیڑ دیا جائے، وہاں انسانی معاشرہ بھی عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے۔ دنیا کے کتنے ہی معاشرہ ہیں جہاں عورت کو اس کے اصل مقام سے ہی نہیں، بلکہ اسے مقام انسانیت سے بھی نیچے گرا دیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جانور کی زیادہ قدر کی جاتی ہے، بلکہ بعض مذاہب میں تو جانوروں کی پوجا تک کی جاتی ہے، جب کہ عورت کو جنس بازار سے بھی کم تر اہمیت دی جاتی ہے۔

ہندو معاشرہ اس کی سب سے بدترین مثال ہے، جہاں عورت کو جہیز کے پیمانے میں تولا جاتا ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ سیرت وصورت، تعلیم وتربیت، سلیقہ وطریقہ اور اخلاق وبردباری جو نسوانیت کے تاریخی وحقیقی جوہر ہیں جن کا وزن عورت کی نسوانیت میں بڑھوتری کا باعث ہوتا ہے، ان سب کی بجائے ہندومت میں عورت کو اس کے لائے ہوئے جہیز میں تولا جاتا ہے، اگر جہیز زیادہ ہو تو عورت قیمتی ہے، بصورت دیگر عورت کی قبولیت کے امکانات کم سے کم تر ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ صدیوں تک رہتے ہوئے مسلمانوں کے ہاں بھی ہندوؤں کے رسوم ورواج جاری رہنے لگے۔ اور رہی سہی کسر اس ثقافت نے پوری کر دی ہے جو فلموں کے ذریعے روز آنہ آ رہی ہے۔ چناں چہ مسلمانوں کے ہاں بھی جہیز ضروری سمجھا جانے لگا اور شادی کی بے پناہ رسومات اور کثرت سے تحائف کے لین دین نے شادی کو جہاں مشکل تر بنا دیا وہاں لڑکیوں کو بوجھ سمجھا جانے لگا، جو یقینا ہندومت کے رسوم کا منطقی نتیجہ تھا۔

ان بے جا رسومات کے بہت برے اثرات معاشرے پر پڑتے گئے اور بیٹی کو بوجھ سمجھنے والوں نے بیٹی کی پیدائش پر کھل کر ناپسندیدگی کا اظہار شروع کیا اور آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے لڑکی کی چھوٹی عمر سے ہی اس کا جہیز بنانا شروع کر دیا، تاکہ اسے عزت کے ساتھ رخصت کیا جا سکے۔ گویا پہلے دن سے ہی بیٹی والدین کے بجٹ پر ایک اضافی ذمہ داری بن گئی۔ اس ذمہ داری کو ناروا سمجھنے والے باپ اور بھائی کا رویہ بھی بیٹی اور بہن کے لیے ناقابل برداشت ہوتا گیا اور جیسے جیسے شادی کا وقت قریب آتا گیا، ذمہ داران کے ذہنی تناؤ میں اضافہ ہوتا گیا اور ایسا رشتہ تلاش کیا جانے لگا جہاں کم سے کم جہیز دینا پڑے اور ظاہر ہے ان پڑھ، جاہل، معذور، رنڈوا، پسماندہ یا اسی قبیل کا ہی کوئی مرد کم جہیز پر راضی ہو سکتا ہے، جس کے ساتھ عورت کو ساری عمر کے لیے

باندھ کر اسے جیتے جی یوں دوزخ میں ڈال دیا کہ وہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر بھی ہمیشہ غیر مطمئن رہے، اس کے خواب چکنا چور ہو جائیں اور شوہر بھی ساری عمر اسے کم جہیز لانے کی پاداش میں جوتے کی نوک پر رکھے۔

کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس کی اولاد جسے وہ اپنے سینے کے چشموں سے سیراب کرتی ہے، اس کی گیلی کی ہوئی جگہ پر خود سوتی ہے اور اپنے گرم بستر پر اسے سلاتی ہے، اس کی خاطر اپنی جوانی تج دیتی ہے وہی اولاد بڑی ہو کر اسے جوئے میں ہار دیتی ہے اور گھر بیٹھی ماں کسی دوسری کی ملک ہو جاتی ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو شادی کے بعد ساس بہو کے جھگڑوں میں کتنے فیصد نوجوان ماں کی مامتا کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھتے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو اپنی جورو کو لیے کسی نئے گھروندے میں حوا کی بیٹی پر ظلم و ستم کی ایک نئی داستان رقم کرنے کے لیے چل نکلتے ہیں۔ شوہر فوت ہو جائے تو عورت کا حق زندگی ہی باقی نہیں رہتا اور "ہندو مذہب" کہتا ہے کہ اسے شوہر کی چتا کے ساتھ نذر آتش کر دو۔ باپ فوت ہو جائے یا بیٹا ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے جائے یا شوہر جیسا جیون ساتھی چل بسے عورت کو کسی کے ترکے میں سے کچھ نہیں ملنے والا، وہ ہمیشہ سے محروم رہی اور اب بھی محروم ہی رہے گی۔

ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے عقل انسانی نے ایک دوسرا راستہ یوں اختیار کیا کہ عورتوں کو بھی مردوں کی صف میں لا کھڑا کر دیا جائے۔ اس طرح گویا خواتین اپنا معاشی و معاشرتی بوجھ خود اٹھانے کے قابل ہو جائیں گی اور اپنے مردوں پر یا معاشرے پر بوجھ نہ بنیں گی۔ اس مقصد کے لیے عورتوں پر مردانہ نصاب تعلیمی کے پڑھنے کو لازمی گردانا گیا، انہیں مردوں کے بشانہ بشانہ تعلیمی اداروں میں داخل کرا کے مردانہ تعلیم فراہم کی گئی، ان کے لیے برابری کی بنیاد پر ملازمتوں کے دروازے کھول دیے گئے، تاکہ وہ بھی انسانی معاشرے کا انتظام، عدالتی، دفاعی، طبی و تعلیمی اور تکنیکی بوجھ اٹھانے میں مردوں کی ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔ اس غیر منطقی عمل نے معاشرے پر سے عورتوں کا بوجھ کم کرنے کی بجائے عورتوں کی ذمہ داریوں میں اس قدر اضافہ کر دیا کہ گھر کا سکون نذر بازار ہو گیا۔ جب ایک ہی منصب پر لڑکے اور لڑکیاں دونوں برابر قابلیت اور مساوی اہلیت کی بنیاد پر درخواست گزار ہوں گے تو صرف عورت کا انتخاب جن پیمانوں کے باعث یقینی ہوگا، وہ پیمانے اظہر من الشمس ہیں۔ ایک ہی دفتر میں کام کرنے والے مرد اور عورتیں غیر فطری مخلوط ماحول کے باعث جن آلودگیوں کا شکار ہوتے ہیں، اخباروں کی خبریں اور ایسے دفاتر میں لگے خفیہ کیمروں سے بننے والی فلموں کے ثبوت عورت کے بے وقعتی اور بے قدری پر دال ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نسوانیت کے بغیر انسانیت کی تکمیل ممکن ہی نہیں۔ انسان ایک عورت کے پیٹ میں ہی اپنے آغاز کی ابتدا کرتا ہے، اس کی گود میں پرورش پاتا ہے، اس کے سینے سے سیراب ہوتا ہے اور اسی ماں کی لوریاں اس کی تعلیم کا پہلا سبق ہوتی ہیں، وہی اس کی پہلی استاد ہوتی ہے اور نہ جانے قدرت والے نے اور کتنے ہی کردار اس ماں کی ذات میں جمع کر رکھے ہیں۔

نسوانیت سے مستعار ماں کا یہ مقام اتنا بڑا منصب ہے کہ جنت جیسی جگہ بھی اس کے قدموں کے تلے آن ٹھہرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اقتدار کے لیے، اپنے خزانوں کے لیے، اپنی طاقت کے لیے یا اپنے غضب کے لیے کوئی مثال پیش نہیں کی ہے، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے لیے ماں کی محبت کو مستعار لیا کہ ماں سے ستر گنا زیادہ محبت کرنے والا۔

جنت سے بڑھ کر کوئی خوب صورت اور دل نشین مقام اس کائنات میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت بابا آدم علیہ السلام کو اس مقام پر جگہ عطا کی تو انہوں نے بارِالٰہ میں تنہائی کی شکایت کی، جس کے بعد انہیں ایک خاتون اماں حوا کی معیت عطا کی گئی، گویا جنت جیسی جگہ پر بھی بغیر عورت کے انسان کا دل نہ لگا۔ یہ نظام قدرت ہے کہ مرد عورت کے بغیر اور عورت مرد کے بغیر نامکمل ہے، دونوں کے اختلاط سے ہی جہاں نسل انسانی کی بقا ممکن ہے وہاں تہذیب وتمدن کے ارتقا کے لیے بھی دونوں کا اشتراک کار بے حد ضروری ہے گویا کہ مرد اور عورت ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے کیسا خوب صورت کردار عطا کیا کہ عورت مرد کی ضرورت ہے، عورت بچے کی ضرورت ہے، حتیٰ کی عورت عورت کی بھی ضرورت ہے اور عورت کے بغیر انسانی سماج ہمیشہ تشنہ تکمیل رہے گا۔

عورت کی محرومیاں ہمیشہ سے سنجیدہ انسانوں کا موضوع رہی ہیں اور ہر مفکر و فلسفی اور موسس اخلاق نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ قدیم یونان میں صدیوں یہ بحث چلتی رہی کہ عورت انسان بھی ہے کہ نہیں؟ اور اس دور کی کتنی ہی کتب آج بھی اس بحث کو پیش کرتی ہیں، قدیم عرب معاشرے میں عورت کی حیثیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اور ماضی قریب تک میں عورت کے دو ہی روپ سامنے آتے ہیں یا تو وہ ظلم کی چکی میں پستا ہوا ایک بے حقیقت دانہ ہے یا پھر اس بازار کی زینت ہے جہاں صبح وشام گاہک اس کی طلب میں آسودگی ہوس نفس کے لیے آتے ہیں اور وہ انہیں ناچ کر دکھاتی ہے اور گا کر سناتی ہے یا پھر راتوں کو روزانہ ایک نئے مرد کا بستر گرم کر کے اپنے پیٹ کے لیے دو وقت کے ایندھن کا انتظام کرتی ہے۔ لکھنو کے نواب ہوں یا دہلی کا دربار، کلیسا و دیر ہوں یا اسمبلی و پارلیمان یا دنیا بھر کے مشرق ومغرب کے مہذب وغیر مہذب معاشرے ہوں، عورت کی کہانی ہر جگہ یکساں ہی رہی ہے۔

ہمیشہ کی طرح آج کی یورپی تہذیب کے انسانی عالی دماغوں نے بھی عورت کے مسائل کا حل تلاش کیا اور پیش بھی کیا۔ کم وبیش تین سو سالوں سے یورپی تہذیب نے عورت کو حقوق نسواں کے نام سے ایک آزادی دے رکھی ہے، تاکہ اس کے مسائل حل ہو جائیں، لیکن یہ آزادی بھی چوں کہ "مردوں" نے ہی دی ہے اس لیے اس کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو ایک بار پھر دہرا رہی ہے، عورت کو سر میدان لا کر اس کی ذمہ داریوں میں کمی تو نہیں کی گئی، لیکن معاش کا ایک اور بوجھ بھی اس کے کندھوں پر ضرور ڈال دیا گیا ہے۔

پہلے وہ صرف شوہر کی دست نگر تھی تو اب اس شوہر کے ساتھ ساتھ اپنے باس اور رپنے رفقائے کار کا بھی دل لبھانا پڑتا ہے۔ اس نام نہاد جدید، لیکن غیر فطری تہذیب نے عورت کی فطری ذمہ داریاں جو اس کی گود، اس کی اولاد، اس کا خاندان اور اس کے گھر سے عبارت تھیں ان کی بجائے عورت کو سیاست، دفاع، معاش اور انتظامی امور کی طرف دھکیلنے کی بھونڈی کوشش کی ہے، جس کے نتیجے میں خاندانی نظام اور اخلاقی معیارات اپنے تنزل کی انتہا کو چھو رہے ہیں۔ اس غیر فطری سلوک کا نتیجہ ہے کہ عورت سے اس کا نسوانی حسن چھن گیا ہے، لفظ "عورت" جس کا مطلب ہی چھپی ہوئی چیز ہے اس کو عریاں سے عریاں تر کیا جا رہا ہے۔

عورت کی اس غیر فطری آزادی سے نسلیں مشکوک ہوتی چلی جارہی ہیں اور یورپ کے مفکرین اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے معاشرے سے آہستہ آہستہ باپ آشنا بچے اور باپ نا آشنا بچوں کا فرق مٹتا چلا جارہا ہے۔ عورت کی آزادی کا منطقی نتیجہ معاشرے کی وہ آشنائیاں ہیں جو صدیوں کے قائم کیے ہوئے تاریخی انسانی اخلاق اقدار کو داغ دار کرتی چلی جارہی ہیں او رپھر کیا یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ اس غیر فطری آزادی نے جو یورپ نے عورت کو تھوک کے حساب سے فراہم کردی ہے تقدیس کا دامن بھی کس کس طرح تارتار کردیا ہے اور مقدس رشتوں کے درمیان بھی ہوس نفس کس طرح درآئی ہے اور پھر کیا اس طرح اس معاشرے کو آسودگی حاصل ہوگی ہے؟ اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم جنسیت اور جانوروں تک سے تعلقات استوار کرنے والے اب اس دلدل میں اندر سے اندر دھنستے چلے جارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق نسوانیت ہے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم محسن نسوانیت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین سے بڑھ کر کوئی نظام انسانوں کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔ اسلام نے فرائض کے مقام پر معاشرے کے سب طبقوں کو جمع کیا، نماز میں معاشرے کے تمام طبقات کو یکجا کردیا، سب مسلمانوں کے لیے خواہ وہ کسی طبقے، کسی مقام ومرتبے یا کسی رنگ ونسل وعلاقے سے تعلق رکھتے ہوں ایک وقت میں سحر وافطار کے نظام میں یکساں پرودیا، دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک ہی لباس پہنا کر ایک کلمہ منہ سے نکالتے ہوئے ایک ہی کمرے کے گرد، ایک ہی رخ میں، مانند یک جان، متحرک کردیا، جب کہ سیکولر یورپی تہذیب نے حقوق کے نام پر سب طبقوں کو باہم لڑادیا ہے، طالب علموں کے حقوق تو اساتذہ سے لڑو، مزدوروں کے حقوق تو مل مالکان سے لڑو، عوام کے حقوق تو حکمرانوں سے لڑو اور خواتین، یعنی بہن، بہو، بیٹی، ماں کے حقوق تو مردوں، یعنی اپنے باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے سے لڑو۔

اسلامی تہذیب نے "ایثار" کا سبق پڑھایا کہ اپنے حقوق سے دست بردار ہوکر دوسروں کے لیے قربانی دو، جان لبوں پر پہنچ گئی، لیکن پانی ساتھ والے کی طرف بڑھا دیا، ایک ہی فرد کا کھانا تھا تو چراغ بجھا کر خود منہ چلاتے رہے، تاکہ دوسرا پیٹ بھر کر آسودہ ہوجائے، خواہ خود کو بھوکے پیٹ سونا پڑے۔ اس کے مقابلے میں سیکولر مغربی تہذیب نے سکھایا کہ اپنے حقوق مانگ کر نہیں ملتے، بلکہ چھین کرلیتے ہیں اور اس مقصد کے لیے عام طور پر معاشرے کے کم زور طبقوں، کو خاص طور پر عورتوں کو نشانہ بنا کر ان کے ذریعے فساد فی الارض کی آگ بھڑکائی گئی۔

ایشیا کے پُرامن مشرقی روایات کے حامل معاشرے میں عورتوں کے حقوق کے نام پر جنس متضاد کے درمیان ایک غیر اعلانیہ جنگ اس معاشرے کو تباہ کرنے کی ایک دانستہ کوشش ہے، عورتوں کے مسائل سمیت کل انسانوں کے کل مسائل کا حل صرف دین اخروی کے اندر ہی پنہاں ہے اور خطبہ حجۃ الوداع سے بڑھ کر اور کوئی دستاویز انسانوں کے حقوق کی علم بردار نہیں ہوسکتی۔ عالم انسانیت کو آسودگی، راحت، امن وآشتی، پیار ومحبت اور حقوق وفرائض کے درمیان توازن کے لیے بالآخر اسی چشمہ فیض کی طرف ہی پلٹنا ہوگا جو انبیاء کی دعوت کا خلاصہ اور اللہ تعالیٰ کا اس دنیا میں آخری پیغام ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی وتواضع

ادارہ

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:’’حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق والے تھے،مزاج تنہائی پسند تھا اور اول عمر سے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر خاموش رہتے،اس لیے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا،ان کے حال سے بھلا ہو، یا برا،کسی کو اطلاع ہوتی،نہ آپ کہتے،یہاں تک کہ اگر بیمار بھی ہوتے تب بھی شدت کے وقت کسی نے جان لیا تو جان لیا،ورنہ خبر بھی نہ ہوتی اور دوا کرنا تو کہاں!

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے چھاپہ خانہ (مطبع) میں جب کام کیا کرتے تھے،مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں،کوئی نام لے کر پکارتا تو خوش ہوتے۔تعظیم سے نہایت گھبراتے،بے تکلف ہر کسی سے رہتے۔جو شاگرد یا مرید ہوتے ان سے دوستوں کی طرح رہتے،علماء کی وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے۔

ایک دن آپ نے فرمایا کہ اس علم نے خراب کیا،ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔میں (مولانا محمد یعقوب) کہتا ہوں کہ اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا،جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے،کیا ان میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ملا دیا،اپنا کہنا کر دکھلایا،مسئلہ کبھی نہ بتاتے،کسی کے حوالے فرماتے،فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر لگانا تو در کنار اول امامت سے بھی گھبراتے،آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے،وعظ بھی نہ کہتے۔جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی (جو اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے) نے اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔‘‘(بیس بڑے مسلمان)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجالس مفتی اعظمؒ میں تحریر فرماتے ہیں:’’دار العلوم کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر علم وفن میں یکتائے روزگار تھے،ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں،لیکن سادگی کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے۔دیکھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکتا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسم ہیں جنہوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں غیر مسلموں اور مخالفوں سے بھی اپنے علم وفضل کا لوہا منوایا ہے۔‘‘

وفیات

فخر الاماثل حضرت مولانا محمد فاروق صاحب شہیدؒ

کی حیات وخدمات کا اجمالی تذکرہ

مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی

یکم ذی الحجہ ۱۴۴۵ ہجری، مطابق ۸ / جون بروز ہفتہ صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے ہوں گے، راقم الحروف اس وقت جلالین شریف کا درس دے رہا تھا کہ اچانک برخوردار عزیزم مولوی محمد طٰہٰ شبلی سلمہ اللہ تعالیٰ (مقیم حال ممبئی) کا فون آیا۔ بندے نے درس کی وجہ سے ریسیو نہیں کیا، انہوں نے دوبارہ کال کی، تو خیال ہوا کہ کوئی ایمرجنسی بات ہوگی، ورنہ دوبارہ کال نہ کرتے۔ فون اٹھایا تو گھبرائی ہوئی آواز میں بتائے کہ پھوپھا جان (یعنی میرے حقیقی بہنوئی حضرت مولانا محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو کسی نے شہید کر دیا۔

خبر کیا تھی، گویا بجلی گر پڑی، ہوش وحواس اڑ گئے اور دل یہی کہہ رہا تھا کہ کاش خبر غلط ہو۔ سبق بند کر کے بھاگا ہوا گھر آیا اور خبر کی تصدیق کے لیے اعزاء واقربا سے رابطہ کرنے لگا۔ اتنی دیر میں خبر بذریعہ موبائل جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی اور دل کو دہلا دینے والی خون آلود آپ کی نعش کی تصویر پورے ملک میں پہنچ چکی تھی۔ لیکن صحیح صورتحال کا علم ابھی کسی کو نہیں تھا کہ اصل معاملہ کیا ہوا۔ علاقے کے جس بھی مسلمان کو معلوم ہوا وہ واقعے کی تحقیق کے لیے مولانا کے گاؤں سون پور کی طرف دوڑ پڑا۔

آناً فاناً علاقے کے ہزاروں مسلمان جائے وقوعہ پر پہنچ گئے اور قاتلین کو فوری طور پر گرفتار کر کے مقدمہ درج کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ بھاری فورس بھی پہنچ گئی تھی، جس کی وجہ سے لاش کو جائے وقوعہ سے اٹھانا مشکل ہو رہا تھا اور ایک خطرناک ہنگامی صورتحال پیدا ہوگئی تھی۔ محسوس ہو رہا تھا کہیں یہ واقعہ کسی بڑے فساد کا سبب نہ بن جائے۔ موقع پر موجود اہل خانہ وعلماء نے بڑی مشکل سے حالات کو قابو کیا۔ اس لیے جس سے بھی رابطہ کیا یہی جواب دیا کہ ابھی حالات سخت کشیدہ ہیں اور بھیڑ بہت زیادہ ہے اس لیے صحیح صورتحال کا علم نہیں ہو رہا۔

واقعہ شہادت

بندہ اسی وقت بذریعہ ٹرین دیوبند سے گھر کے لیے عازم سفر ہوا اور دوسرے دن شریک جنازہ رہا۔ گھر پہنچ کر واقعے کی تفصیل یہ معلوم ہوئی کہ ایک برہمن سے آٹھ دس سال پہلے کسی زمین کا معاملہ ہوا تھا، بیع نامہ بھی ہوگیا تھا، چوں کہ وہ غریب تھا اور ضرورت پر آپ سے مدد بھی طلب کرتا رہتا تھا، اس لیے بیع نامہ کے باوجود آپ نے زمین پر قبضہ نہیں لیا، اور کہہ دیا تم جوتتے بوتے رہو، جب ضرورت ہوگی لے لیں گے۔ اِدھر چند سال پہلے اس نے پھر ایک زمین کا معاملہ آپ سے

کیا، جس کی پوری رقم بھی لے لی لیکن جب بیع نامہ کی بات آئی، تو اس نے اس زمین کو کسی دوسرے آدمی سے بیچ دیا۔

اب آپ کو شبہ ہوا کہ یہ دھوکہ دینا چاہتا ہے، اس لیے آپ نے اصرار کیا کہ جس زمین کا بیع نامہ ہوگیا ہے، اس پر قبضہ دیدے اور دوسری زمین کے لیے جو رقم لے رکھی ہے اسے واپس کردے، وہ ٹال مٹول کررہا تھا کہ ۶؍جون کو اس نے آپ سے کہا کہ ایک دودن میں آپ آجائیں اور پیمائش کے لیے فیتا بھی لیتے آئیں، تاکہ جس زمین کا بیع نامہ ہوا ہے اس کو آپ کے قبضہ میں دیدوں۔

۸؍جون صبح کوئی سات بج رہے ہوں گے کہ آپ تنہا اس کے گھر پہنچ گئے۔ اس کا گھر آپ کے گاؤں کے قریب ہی تھوڑے فاصلے پر ہے۔ اس پورے گاؤں میں چھ سات ہی مکانات ہیں اور سب غیر مسلموں کے ہیں۔ بظاہر اخلاق سے ملا اور بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی، جب آپ بیٹھ گئے تو سامنے سے اسی کے گھر کے ایک فرد نے آپ کو باتوں میں مشغول کیا اور خود اس نے پیچھے سے آکر پھاوڑے یا کلہاڑی سے، اتنی قوت سے سر کے پچھلے حصے پر وار کیا کہ آپ فوراً بے ہوش ہوکر گر گئے اور کرسی ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد اس نے اور اس کی بیوی و بیٹوں نے مل کر سر اور چہرے پر کلہاڑی سے کئی ایک اور وار کئے، سفید گھنی داڑھی سے گھرے ہوئے آپ کے انتہائی حسین وجمیل و پُرنور چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور اس وقت تک حملہ کرتے رہے، جب تک کہ انہیں یقین نہیں ہوگیا کہ آپ شہید ہوگئے۔

یہ واردات کوئی اچانک نہیں ہوئی، بلکہ طویل منصوبہ بندی اس کے لیے کی گئی تھی، علاقے میں آپ کے مضبوط سیاسی وسماجی اثر ورسوخ اور عوامی مقبولیت سے بہت سی اسلام دشمن طاقتیں خائف رہتی تھیں اور اسی وجہ سے وہ آپ کی جانی دشمن تھیں، دراصل ایسی ہی طاقتوں نے زمین کے معمولی تنازع کو مسئلہ بنا کر یہ واردات انجام دلوائی۔ یہی وجہ ہے کہ قاتل کی گرفتاری کے بعد بہت سی شدت پسند تنظیمیں کھل کر ان کی حمایت و پشت پناہی کرنے لگیں۔

اس بے رحمانہ وسفا کانہ واقعے نے ہم اہل خانہ ہی کو نہیں، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو اور انسانی دل رکھنے والے ہر انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اس ظلم و بربریت کی دردناکی کو مسلمانوں اور سنجیدہ غیر مسلموں سب نے محسوس کیا اور اس کے خلاف آواز بلند کرنا اپنا فریضہ سمجھا۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شہادت کی خبر پھیلتے ہی موقع واردات پر ہزاروں لوگ جمع ہوگئے اور دوسرے دن نماز جنازہ میں ایک اندازے کے مطابق پچاس ساٹھ ہزار افراد نے شرکت کی۔

ملک کی اہم ملی تنظیموں اور دینی مراکز کے ذمہ داروں وسیاسی لیڈروں نے آپ کے گھر پہنچ کر اہل خانہ سے تعزیت کی۔ خصوصاً دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی، دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی، صدر جمعیۃ علمائے ہند حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا بلال حسنی ندوی، جمعیۃ علمائے ہند کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا حکیم الدین قاسمی، کانگرس کے قدآور لیڈر وممبر پارلیمنٹ عمران پرتاب گڑھی۔ ان کے علاوہ ضلع اور آس پاس کے اضلاع کی بہت سی سربرآوردہ شخصیتوں اور سیاسی لیڈروں

نے اس واقعے کی مذمت کی اور گھر پہنچ کر اہل خانہ کی تعزیت کی۔

بہت سی تنظیموں نے اپنے پیغامات میں حکومت وقت سے قاتلوں کو سخت سے سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا، پورے ملک کے اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا نے اہمیت کے ساتھ آپ کی شہادت کی خبر کو، کئی دنوں شائع کیا۔ آس پاس کے غیر مسلموں نے اس دردناکی کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے میڈیا کے سامنے کھل کر کہا کہ: ''مولانا تو ہم لوگوں کے لیے کسی بھگوان سے کم نہ تھے اور ضرورت پر ہمارے کام آتے تھے، کسی سے لڑنا جھگڑنا تو وہ جانتے ہی نہ تھے، پھر کیوں ان کو قتل کیا گیا، ہم سب خود حیرت زدہ اور غمگین ہیں''۔

چند سالوں سے آپ پر فکر آخرت کا غلبہ تھا، سفر وغیرہ سے بھی وحشت ہونے لگی تھی، اپنے بچوں سے فرماتے کہ: ''اب سارے کاموں کو تم لوگ سنبھالو اور مجھے فرصت دیدو، ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ بہت دن جی لیا، اب تو دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالی موت شہادت دیدیں۔ کبھی فرماتے دل چاہتا ہے مدینہ چلا جاؤں اور وہیں موت آجائے یا پھر مسجد اقصیٰ چلا جاؤں اور بقیہ زندگی وہیں گزاروں''۔ بلاشبہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور تکوینی طور پر موت شہادت کا یہ انتظام کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون, ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول إلا مایرضی ربنا وإنا بفراقک یا اخی لمحزونون۔

اوصاف حمیدہ

حقیقت یہ ہے کہ فاروق بھائی تھے ہی ایسے کہ ان پر رویا جائے، ان کی جدائی پر غم کیا جائے، رب کریم نے انھیں جس طرح جسمانی طور پر انتہائی حسین جمیل بنایا تھا، سرو قد عطا کیا تھا، ذاتی وجاہت سے نوازا تھا، اسی طرح اخلاق وکردار کی پاکیزگی سے بھی مزین کیا تھا۔ وہ سراپا محبت کا پیغام تھے، حسن اخلاق کا نمونہ تھے، اعلی کردار کی مثال تھے، ان کی پوری زندگی جہد مسلسل عمل پیہم اور حرکت وسرگرمی سے عبارت تھی، بھائی چارہ قائم کرانا، دوفریقوں میں صلح کرانا اور آپسی اختلافات کو ختم کرانا، ان کا مشن تھا۔ جس کے لیے انہوں نے بڑی قربانیاں دیں، لیکن اپنے مشن کو نہیں چھوڑا۔ وہ گاؤں گاؤں اور بستی بستی جاکر محبت کا پیغام عام کرتے تھے اور حکمت وتدبر سے فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کرتے تھے، جس میں وہ کامیاب بھی تھے۔ انہوں نے پوری زندگی نہ تو کسی کو گالی دی اور نہ کسی سے لڑائی کی، وہ لڑنا جھگڑنا تو گویا جانتے ہی نہ تھے۔ وہ اپنے بڑے سے بڑے مخالف سے بھی مسکرا کر ملتے، کوئی آدمی بُرا بھلا کہتا تو برداشت کر لیتے، لیکن پلٹ کر جواب نہ دیتے۔

حالانکہ طبیعت کے بڑے جری اور نڈر تھے، گویا اصلاً مزاج فاروقی تھا، خوف وڈر تو وہ جانتے ہی نہ تھے، رات بارہ ایک بجے بھی بلاتکلف تنہا موٹر سائیکل سے دور دور تک کا سفر کرنے میں انہیں کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا تھا، ان کے قریبی دوست مشہور شاعر وسیاسی لیڈر عمران پرتاپ گڑھی کے والد ڈاکٹر محمد الیاس صاحب نے بتایا کہ:

''ایک مرتبہ سرائے آنا دیو بازار کے چند غیر مسلموں نے ''مدرسہ تعلیم الدین سونپور'' کے کسی طالب علم کو تنہا پا کر مارا پیٹا، اس کی شکایت کرنے کے لیے شہر پرتاپ گڑھ کے ایس پی سے ملنے کے لیے ایک وفد تیار ہوا۔ شہر جانے کے لیے

سیدھا راستہ ''سرائے آنا دیو بازار'' ہی سے ہوکر گزرتا ہے، اس لیے وفد کے اکثر ارکان کی رائے یہ ہوئی کہ دوسرے راستہ سے چلا جائے، اس راستے میں خطرہ ہے۔ آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ چاہے جس راستے سے جائیں، لیکن میں اسی راستے سے جاؤں گا۔ چنانچہ اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھے، ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کہتے ہیں کہ آپ کی محبت میں، میں بھی آپ ہی کی موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھ گیا، جاتے ہوئے جب ''سرائے آنا دیو بازار'' آیا تو پان کی ایک دکان پر رُکے، جہاں کئی ایک غیر مسلم لڑکے کھڑے تھے، دوکاندار سے پان لگوایا، حالانکہ خود پان نہیں کھاتے تھے، پھر پان کی قیمت ادا کرنے کے لیے زائد رقم دی، دوکاندار جب زائد روپیہ واپس کرنے لگا تو کہا بقیہ پیسے اِن حرام خوروں کو دے دو۔ (یعنی دوکان کے پاس کھڑے غیر مسلم نوجوانوں کو، جنھوں نے طالب علم کو مارا تھا) یہ کہہ کر پھر آگے بڑھے۔''

جس زمانے میں مدرسہ تعلیم الدین سون پور پر قبضہ کرنے کے لیے گاؤں ہی کے کچھ لوگوں نے ہنگامہ برپا کررکھا تھا، جس کی وجہ سے آپ کی جان تک کو خطرہ لاحق تھا، اس کے باوجود پابندی سے مدرسہ جاتے اور بعض مرتبہ وہیں مدرسے کے کھلے صحن میں رات بھی گزارتے۔ اس بات سے بے خوف ہوکر کہ دشمنوں کی نیت اچھی نہیں ہے، کہیں وہ کوئی واردات نہ کر بیٹھیں، کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ بعض مرتبہ چند شرارت پسند عناصر نے رات میں آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ بھی کیا اور آپ کی چارپائی کے قریب بھی آگئے، لیکن حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ رب کریم نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

اس کے بالمقابل دینی حمیت وغیرت کا حال یہ تھا کہ اسی ''مدرسہ تعلیم الدین سون پور'' کا اختلاف جب شدید سے شدید تر ہوگیا، یہ وہ دور ہے جب صوبے میں سماج وادی پارٹی کی حکومت تھی اور مسلمانوں کے قدآور لیڈر اعظم خان کا طوطی بول رہا تھا، تو اعظم خان نے آپ کو پیشکش کی کہ مدرسے پر کنٹرول برقرار رکھنے کے لیے اگر میری ضرورت ہو تو بتائیں، آپ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ اس کے لیے آپ مدرسے میں پولیس وفورس تعینات کریں گے اور مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ مدرسے میں پولیس اور فورس آئے۔ اس کے بعد آپ مدرسے سے علیحدہ ہوگئے۔

رب کریم نے مالی خوشحالی اور فارغ البالی کے ساتھ کشادہ دستی اور فیاضی کی صفت سے بھی متصف فرمایا تھا، مہمان نوازی کے ساتھ اعزاء واقرباء کے ساتھ حسن سلوک ورواداری اور ضرورت مند و پریشان حال لوگوں کے کام آنا، پوری زندگی آپ کا معمول تھا۔ جس ضرورت مند نے بھی اپنی کسی ضرورت کا اظہار کردیا، وہ متعلق ہو یا غیر متعلق، مسلمان ہو یا غیر مسلم، بس اس کی ضرورت کی تکمیل کے لیے پریشان ہوجاتے اور مال کے ساتھ اپنا پورا وقت بھی صرف کردیتے۔ یہ کام خواہ کسی ہاسپٹل میں مریض کو داخل کرانے کا ہو، عدالت کچہرے اور تھانے کا ہو یا کوئی سیاسی مسئلہ ہو، مقدور بھر سب کی مدد کے لیے کوشاں رہتے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہر میدان کے لوگوں سے آپ کے گہرے مراسم تھے، سب لوگ آپ کا ادب واحترام کرتے تھے۔ اس طرح آپ کی سفارش سے بہت سے لوگوں کے کام بن جاتے تھے اور یہ سب امور للہ فی اللہ انجام دیتے، کسی سے کسی صلہ وانعام کے طالب نہ ہوتے۔

الحاصل آپ انتہائی متحرک وفعال اور سرگرم انسان تھے، دینی واصلاحی اور ملی کاموں کے ساتھ، سیاسی، سماجی اور معاشرتی کاموں میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، تھکنا، بیٹھنا اور آرام کرنا، گویا آپ جانتے ہی نہ تھے۔ صبح گھر سے نکلتے تو عموماً رات ہی میں واپس آتے اور اس دوران مدرسہ، مسجد اور دیگر دینی واصلاحی کاموں میں مصروف رہتے، یا لوگوں سے ملنے جلنے اور ضرورت مندوں کی ضرورت کی تکمیل میں مشغول رہتے۔ گویا وہ تھوڑی عمر میں بہت سے کاموں کو نپٹا لینا چاہتے تھے۔

جمعیۃ علمائے ہند سے وابستگی

آپ کی انہی خدمات جلیلہ کو دیکھ کر جمعیۃ علمائے ہند کی پرتاپ گڑھ یونٹ نے ۲۰۰۸ء میں آپ کو جنرل سکریٹری کی ذمہ داری سونپی، جس پر تاحیات آپ فائز رہے۔ جمعیۃ کے ملی واصلاحی کاموں سے آپ کا رابطہ پہلے سے تھے، ذمہ داری ملنے کے بعد یہی نہیں کہ یہ رابطہ مستحکم ہوا، بلکہ ابھی تک ذاتی طور پر تعلیمی، ملی اور اصلاحی جو خدمات آپ انجام دیتے تھے اور جس کا دائرہ محدود تھا، ایک بڑے پلیٹ فارم کے ملنے کی وجہ سے پورے ضلع تک پہنچ گیا اور اب پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر جمعیۃ علماء کی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے اور ملک میں منعقد ہونے والی اس کی کانفرسوں اور میٹنگوں میں باضابطہ شریک ہونے لگے۔

پرتاپ گڑھ کی تحصیل کنڈہ کے گاؤں ’’استھان‘‘ میں آج سے کئی ایک سال پہلے ایک بڑا فرقہ وارانہ فساد ہوا تھا، جس میں مقامی مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا تھا، ان کو مارا پیٹا گیا تھا، ان کے مال واسباب کو لوٹ کر گھروں کو آگ لگا دی گئی ، یہاں تک کہ مسجدوں اور قبرستانوں کو بھی آگ کے حوالے کر دیا گیا تھا اور بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔

فساد کی اطلاع ملتے ہی آپ وہاں پہنچے۔ حالات سخت تھے اور لوگ سڑکوں کے کنارے پڑے ہوئے تھے، نہ ان کے پاس کھانے کا انتظام تھا اور نہ سر چھپانے کی جگہ۔ آپ نے فوری طور پر جو کچھ ممکن ہوسکا کھانے پینے کا انتظام کیا اور سر چھپانے کا بندوبست کیا، اس کے بعد مستقل طور پر ان کی بازآبادکاری کے لئے جمعیۃ علماء وغیرہ کے تعاون سے ایک بڑی رقم فراہم کی۔ اسی طرح ’’چاند پور کھروئیں‘‘ میں جب آگ زنی کی گئی تو بھی اس موقعہ پر آپ مظلوموں کی مدد وفریادرسی کے لئے آگے رہے اور قانونی، سیاسی ومالی جو کچھ تعاون آپ سے ہوسکتا تھا آپ نے کیا۔

مدرسہ تعلیم الدین سون پور

آپ ابھی دارالعلوم دیوبند ہی میں جماعت عربی پنجم کے طالب علم تھے، اسی زمانے میں آپ کو فکر ہوئی گاؤں کے اس مکتب کو آگے بڑھانے کی، جسے آپ کے والد محترم خان محمد یونس صاحبؒ، عبدالغنی صاحب اور منشی عبدالحیط وغیرہم، مصلح ملت حضرت مولانا محمد یار صاحب پرتاپ گڑھی نوراللہ مرقدہ کے مشورے اور مبارک ہاتھوں سے قائم کر چکے تھے۔ چنانچہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں حاضر ہوکر

اس ارادے کا اظہار فرمایا اور مدرسے کا نام رکھنے کی درخواست کی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ''مدرسے میں کس چیز کی تعلیم دو گے؟ کہا دین کی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: تو پھر ''تعلیم الدین'' رکھ دو، یہ سن ۱۹۸۰ء کی بات ہے۔

چنانچہ چھٹیوں میں جب گھر آئے تو گاؤں میں ایک جلسہ منعقد کیا، جس میں اپنے رفیق خاص اور تعلیمی سرگرمیوں کے سرپرست حضرت مولانا قاضی محمد امین صاحب مہتمم جامعہ رشیدیہ اوگئی پور کو خصوصی طور پر مدعو کیا، جو ابھی نئے نئے دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ اسی جلسے میں ان دونوں حضرات نے باقاعدہ ''مدرسہ تعلیم الدین'' کے قیام کا اعلان کیا اور اس طرح گاؤں سون پور کا مکتب ''مدرسہ تعلیم الدین'' کی شکل اختیار کر گیا۔

پھر مدرسے کی دیکھ بھال اور تعلیمی نظام کو سنبھالنے کے لیے پڑوس ہی کے گاؤں ''جٹھوارا'' کے رہنے والے حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب زید مجدہ کا، جو اس وقت تجارت وغیرہ میں مصروف تھے، بحیثیت مہتمم وصدر مدرس تقرر کیا اور تنخواہ وغیرہ کی ادائیگی کی ذمہ داری اپنے ذمہ رکھی۔ ایک مرتبہ تنخواہ کی رقم کا انتظام نہ ہو سکا، تو حضرت مفتی محمود صاحبؒ سے جا کر عرض کیا، حضرت نے بخوشی اپنی جیب خاص سے پوری رقم ادا کر دی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اس مدرسے کی ترقی کے لیے بے انتھک کوشش میں مصروف ہو گئے، پھر کیا رہا؟ چند ہی سالوں میں ''تعلیم الدین'' نے علاقے میں دینی تعلیم وتربیت کے حوالے سے اپنا ایک مقام بنا لیا، پرائمری سے لے کر عربی دوم تک کی تعلیم ہونے لگی اور سیکڑوں طلبہ دار الاقامہ میں مقیم رہنے لگے۔ ایک بڑی زمین حاصل کر کے دار الاقامہ اور درسگاہوں کی تعمیر کرائی، ایک بڑی مسجد کی تعمیر ہوئی اور عالی شان گیٹ بنوایا۔

ادارہ ابھی ترقی کے منازل طے ہی کر رہا تھا کہ بعض بدخواہوں کی نظر لگ گئی اور مہتمم حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب اور آپ میں جو بحیثیت ناظم اعلی مدرسے کے امور انجام دے رہے تھے، شدید اختلاف ہو گیا۔ دراصل گاؤں ہی کے کچھ لوگ مدرسے میں زبردستی دخیل بننا چاہ رہے تھے، اور اس کے لیے انہوں نے ایک نوعمر فاضل کو آلہ کار بنایا تھا، دوسری جانب بعض مدرسے والوں کو بھی ''تعلیم الدین'' کی دن بدن بڑھتی مقبولیت برداشت نہیں ہو رہی تھی اور انہیں ایک طرح سے حسد ہو گیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اس کی رفتار مدھم پڑ جائے۔ اور یہ بات سب جانتے تھے کہ جب تک مدرسے کا نظام حضرت مولانا محمد فاروق صاحب کے کنٹرول میں ہے، نہ تو مدرسے کی ترقی کو روکا جا سکتا ہے اور نہ اس میں منمانی چلائی جا سکتی ہے۔ اس لیے یہ مہم چلائی گئی کہ مولانا محمد فاروق صاحبؒ مدرسے سے علیحدہ ہو جائیں، اصلاً مدرسہ گاؤں کا ہے، گاؤں والے ہی چلائیں گے۔ (جبکہ آپ بھی اسی گاؤں کے تھے)

ڈاکٹر محمد الیاس صاحب راوی ہیں کہ اسی موقعہ پر میرے گھر مولانا عبدالرؤف صاحب اور مولانا محمد فاروق صاحبؒ کی بیٹھک ہوئی۔ مولانا عبدالراؤف صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر مولانا محمد فاروق صاحب مدرسے میں رہیں گے تو میں نہیں رہ سکتا، دوسری جانب مولانا محمد فاروق صاحبؒ کہہ رہے تھے کہ اگر مولانا عبدالرؤف صاحب مدرسے سے مستعفی ہوتے ہیں تو میں بھی

علیحدہ ہوجاؤں گا۔مولانا کے بغیر مدرسے میں، میں نہیں رہوں گا۔اس واقعے سے اختلاف کی نوعیت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

جب اختلاف شدید ہوا اور گاؤں کے چند لوگوں کی بدتمیزیاں بڑھ گئیں،تو ۲۰۰۵ء میں،تقریباً ۲۵/سال تک ،قائم کرنے سے ہرا بھرا درخت بنانے تک ،خدمت انجام دینے کے بعد،آپ علاحدہ ہو گئے۔افسوس کہ آپ کی علاحدگی کے بعد مدرسہ اپنا وجود قائم نہ رکھ سکا، چند سالوں کے بعد حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بھی علاحدہ ہو گئے۔اور پھر مدرسہ کی تعلیمی سرگرمیاں پرائمری درجات تک سمٹ گئیں۔اور آج مدرسے کی طویل وعریض مسجد وعمارت طالب علموں و نمازیوں کے لیے نوحہ خواں نظر آتی ہے۔

جامعہ عبداللہ ابن مسعود پرتاپ گڑھ

یہاں سے علاحدگی کے بعد آپ نہ تو ہمت ہارے اور نہ بیٹھے۔حالاں کہ اتنے بڑے حادثے کے بعد اچھے اچھے دل گردے کے لوگ ٹوٹ جاتے ہیں اور اگلی منزل طے کرنا ان کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔چنانچہ ابھی چند سال ہی گزرے تھے کہ سن ۲۰۰۸ء میں،آپ نے ایک بڑے منصوبے اور نئے عزم وحوصلے کے ساتھ شہر پرتاپ گڑھ میں ''جامعہ عبداللہ ابن مسعود'' کی بنیاد رکھ دی اور پھر چند ہی سالوں میں ایک بڑی زمین خرید کر عمارت بھی کھڑی کر دی اور ایک عالی شان جامع مسجد بھی بنادی۔الحمدللہ جامعہ عبداللہ ابن مسعود اپنی تعلیم وتربیت کے حوالے سے اس وقت پرتاپ گڑھ کے مرکزی اداروں میں سے ایک ہے، جہاں ابتدائی پرائمری سے لے کر عربی سوم تک کی تعلیم جاری ہے۔اساتذہ وملازمین کے ایک بڑے اسٹاپ کے ساتھ طلبہ کی ایک بڑی تعداد بھی دارالاقامہ میں مقیم ہے۔اس کے علاوہ مختلف علاقوں میں کئی ایک مکاتب دینیہ بھی آپ نے قائم کیے، جو ماشاءاللہ خدمت دین میں مصروف ہیں۔

ایک اہم واقعہ

آپ نے کس خلوص وللہیت کے ساتھ دین کی خدمت انجام دی اور مدارس ومکاتب قائم کیا،اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے،جس کے راوی عزیزم مولوی مامون الرشید ہیں۔عزیزم نے بتایا کہ ۲۰۱۳ء میں ممبئی سے مدرسے کی ایک بڑی رقم لے کر والد صاحب واپس آرہے تھے، ساتھ میں میں اور حافظ ہدایت علی استاذ جامعہ عبداللہ ابن مسعود تھے۔رقم ایک کارٹون میں رکھی ہوئی تھی۔ الہ آباد اسٹیشن پر اتر کر جب باہر آئے تو اپنی گاڑی پر کارٹون رکھنا بھول گئے۔اور کارٹون چھوڑ کر وہاں سے تقریباً ۸۰/کلومیٹر دور جب اپنے گھر آ گئے،اور سامان دیکھا تو کارٹون غائب تھا۔آپ نے کہا کہ اس میں مدرسے کی رقم تھی اور آج تک میں نے کبھی بھی مدرسے کی رقم میں خرد برد نہیں کیا،اس لیے مجھے یقین ہے کہ رقم ضائع نہیں ہوسکتی۔اس لئے تم لوگ واپس جاؤ اور تلاش کرو، کارٹون مل جائے گا۔ہم لوگوں نے کہا کہ ممکن ہی نہیں،اتنی زیادہ تاخیر ہوگئی ہے اور واپس جانے میں بھی ڈھائی تین گھنٹے لگیں گے۔کون چھوڑ دے گا،؟ اس لئے جانے میں کوئی فائدہ نہیں

ہے، جو ہونا تھا ہو گیا۔ لیکن آپ نے اصرار کیا تو ہم دونوں واپس گئے۔ عزیزم کا بیان ہے کہ کارٹون اسی جگہ جوں کا توں رکھا ہوا ملا جہاں چھوٹا تھا اور رقم بھی مکمل محفوظ تھی۔ اسے آپ کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔

مساجد کی تعمیر

''مساجد کی تعمیر'' آپ کی خدمات کا ایک جلی عنوان ہے۔ ضلع پرتاب گڑھ میں آپ کی محنت و کوشش اور بعض ملی تنظیموں کے تعاون سے تقریبا ڈھائی تین سوئی یا پرانی مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں۔ ایسے علاقوں میں مسجدوں کی تعمیر جہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت ایسی نہ ہو کہ وہ مسجد تعمیر کرا سکیں، اس کے لیے جدوجہد کرنا اور دوڑ دھوپ کر تعمیر کرا دینا، یقیناً آپ کی حسنات میں اضافہ اور رب کریم کے یہاں ترقی درجات کا بہترین ذریعہ بنے گا۔ اور یہ مسجدیں و مدرسے جب تک قائم رہیں گے آپ کے اعمال حسنہ میں ان کا ثواب لکھا جاتا رہے گا۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔ آپ کے والد خان محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتہائی غیور و خوددار، باخلاق و باکردار، نیک و صالح انسان تھے۔ خان صاحب عالم و فاضل تو نہ تھے لیکن مطالعہ کا اچھا شوق تھا، اردو زبان و ادب کا بھی ذوق تھا۔ شاعر مشرق اکبر الہ آبادی مرحوم کے اشعار نوک برزبان رہتے تھے۔ محسوس ہوتا تھا پورا دیوان یاد کر رکھا ہے۔ ملک کی تقسیم کے وقت خان صاحب فوج میں تھے اور اس وقت موجودہ پاکستان کے کسی علاقے میں تعینات تھے۔ آپ کو موقع تھا کہ پاکستان کی شہریت اختیار کر لیں لیکن ہندوستان میں اپنے اعزاء و اقرباء کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور ملازمت ترک کر کے وطن سون پور میں آ کر مقیم ہو گئے۔ گاؤں سون پور، تھانہ جتھوارہ کے تحت آتا ہے اور شہر پرتاپ گڑھ سے تقریباً ۲۵ رکلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سون پور ایک بڑا مسلم گاؤں ہے، جہاں سوڈیڑھ سو مسلمانوں کے مکانات ہوں گے۔ خان صاحب علم دوست تھے اور علماء و صلحاء سے بڑا تعلق تھا خصوصاً مصلح ملت حضرت مولانا محمد یار صاحب نور اللہ مرقدہ سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی اور بڑا گہرا تعلق رکھتے تھے۔ خاں صاحب کے تین صاحب زادوں میں مولانا محمد فاروق صاحب سب سے چھوٹے تھے۔ بڑے صاحب زادے جناب محمد عاشق صاحب مرحوم تھے اور منجھلے صاحب زادے حاجی محمد معشوق صاحب ہیں، جو الحمد للہ بقید حیات ہیں۔

ابتدائی تعلیم

تعلیم کا آغاز گاؤں ''کٹلیا'' کے مکتب سے ہوا۔ مزید تعلیم کے لیے قصبہ ڈرواکے ''مدرسہ حفظ العلوم'' میں داخل ہوئے۔ جو آپ کے گاؤں سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں حضرت مولانا عبد القدوس صاحب اعظمی ثم پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہ سے حفظ قران کریم کیا اور اردو و فارسی کی چند کتابیں پڑھیں۔

اس کے بعد مصلح ملت حضرت مولانا محمد یار صاحب نور اللہ مرقدہ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا قاضی محمد

امین صاحب مہتمم جامعہ رشیدیہ اوگئی پور پرتاپ گڑھ کے ساتھ، جو اس وقت دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، سہارن پور چلے گئے اور مدرسہ قاسم العلوم گاگلہیڑی میں فارسی جماعت اول میں داخلہ لیا۔ یہاں پر آپ کے خصوصی استاذ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند تھے اور ساتھ میں مصلح ملت کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا محمد نسیم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہ تھے۔ یہاں ایک سال ہی رہنا ہوا، اگلے سال یہ دونوں حضرات مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ چلے گئے اور جماعت فارسی دوم اور عربی اول کی تعلیم مکمل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

جماعت عربی دوم کی تعلیم کے لئے یہ دونوں حضرات دارالعلوم دیوبند آ گئے اور پھر یہیں سے ۱۹۸۳ء میں دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ بزمانۂ قیام دارالعلوم دیوبند آپ نے خصوصی طور پر جن اساتذہ عظام سے پڑھا یا استفادہ کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا شیخ عبدالحق اعظمی نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حسین احمد بہاری، شیخ الادب حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، حضرت مولانا حامد میاں صاحب رحمہم اللہ تعالی اور حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

بزرگوں سے محبت وعقیدت اور اصلاحی تعلق

طالب علمی کے دور ہی سے درسگاہ کی پابندی کے ساتھ نمازوں کا اہتمام اور بزرگوں کی مجلسوں میں حاضری کا بھی معمول رہا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی مجلس میں شرکت کے ساتھ ان کے درس حجۃ اللہ البالغہ میں بھی حاضری رہتی تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے تو انتہائی گہرا تعلق تھا۔ اس کے علاوہ ملک کے دیگر مشائخ وبزرگوں سے بھی بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے تھے اور ان کی ملاقات کے لیے مستقل سفر کرتے رہتے تھے۔

مصلح ملت حضرت مولانا محمد یار صاحب نوراللہ مرقدہ سے تو دامادی ہی کا رشتہ تھا، اس طرح گویا حضرت کے گھر کے ایک فرد ہی تھے۔ نیز حضرت کے اصلاحی وعلمی کاموں سے بہت متاثر بھی تھے اور انہی کے نقش قدم پر رہ کر پوری زندگی اصلاح معاشرہ، مکاتب ومدارس کے قیام اور علاقے کے مسلمانوں کے آپسی تنازعات کو صلح صفائی سے حل کرانے کے لیے کوشاں رہے۔

شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی نوراللہ مرقدہ سے بڑا تعلق تھا، حضرت کا گاؤں آپ کے گاؤں سے قریب ہے، اس لئے حضرت کے یہاں باقاعدہ حاضری رہتی تھی۔ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی قدس

سرہ، حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یونس صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور نور اللہ مرقدہ جیسے مشائخ کے یہاں بھی حاضری کا معمول رہا اور سب سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندویؒ کے ساتھ بنگال گئے تھے، پروگرام میں حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ بھی مدعو تھے۔ حضرت شیخ یونس صاحبؒ کو چار جگہ بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دینا تھا، دو جگہ درس دینے کے بعد حضرت تھک گئے اور منتظمین سے بقیہ پروگراموں میں شرکت سے معذرت کر لی۔ اب لوگوں کا اصرار بڑھا تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ مولانا محمد فاروق صاحب کو لے جاؤں اور آخری سبق انہی سے پڑھوالو۔ پھر حضرت شیخ نے مولانا سے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، میں اہم باتیں بتا دیتا ہوں یہی بیان کر دینا۔ چنانچہ آپ گئے اور حضرت شیخ کی نیابت کرتے ہوئے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا۔ حضرت شیخ کے مزاج سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ حضرت شیخ کی نیابت کرنا یا حضرت کا کسی کے علم پر اعتماد کر لینا کس قدر اہمیت کی بات ہے۔

بعدہ شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم کیا اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

طالبان علوم نبوت سے بھی بڑی محبت فرماتے تھے، خصوصا جن طلباء نے آپ سے کچھ پڑھا تھا یا آپ کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی، سب سے رابطے میں رہتے اور ان کی خبر گیری فرماتے تھے۔

خانقاہ تلوجہ ممبی

چند سالوں سے تلوجہ ممبی میں مجلس ذکر وارشاد اور خانقاہ کا سلسلہ شروع فرمایا تھا، جہاں سال میں ایک دو مرتبہ تشریف لے جاتے اور مریدین ومتوسلین کو اپنے فیوض وبرکات سے مستفیذ فرماتے۔

درس قرآن

تمام تر مصروفیات کے باوجود تفاسیر قرآن کریم ودیگر دینی کتابوں کے مطالعے کا معمول تھا اور اپنے بچوں کو بھی تفاسیر قرآن کریم کے مطالعہ کی تاکید فرماتے تھے۔ مدرسے میں درس وتدریس کا بھی سلسلہ تھا، لیکن دیگر مصروفیات کی وجہ سے باقاعدہ درسی مصروفیت جاری رکھنا مشکل ہوتا تھا۔ اس لئے اپنے علمی ذوق کو باقی رکھنے کے لئے اور قرآن کریم کی تعلیمات سے امت کو آگاہ کرنے کے لئے اپنے گھر سے قریب کی مسجد میں بعد نماز فجر روزآنا درس قرآن کریم کا سلسلہ تقریبا بیس پچیس سال سے جاری کر رکھا تھا، نماز فجر خود ہی پڑھاتے اس کے بعد نماز اشراق تک درس دیتے۔ شہادت کے دن بھی درس ہوا تھا۔

اولاد واحفاد اور ان کی دینی تعلیم وتربیت

اپنے خسر مصلح ملت حضرت مولانا محمد یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرح آپ نے بھی اپنے تمام بچوں کو دینی تعلیم

سے آراستہ فرمایا، بلکہ تمام بچوں کو حضرت ہی کے سپرد بھی کر رکھا تھا تاکہ حضرت ہی کی نگرانی اور پرورش میں بچوں کی تعلیم وتربیت ہو۔ ماشاء اللہ رب کریم نے اس مقصد میں بھی کامیابی عطا فرمائی اور آج تمام بچے علم دین سے آراستہ ہوکر نمایاں طور پر خدمت دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

بڑے صاحبزادے عزیزم حافظ مولوی مفتی مامون رشید قاسمی سلمہ اللہ تعالی ہیں۔ جو دارالعلوم اسلامیہ عربیہ تلوجہ نوی ممبئی میں استاذ حدیث ہیں اور شمس مسجد کھار گھر ممبئی میں امام وخطیب ہیں۔ دوسرے صاحبزادے عزیزم حافظ مولوی محمد ارشد قاسمی سلمہ اللہ تعالی ہیں جو جامعہ عبداللہ ابن مسعود میں استاد عربی ہیں اور آپ کی شہادت کے بعد جامعہ کے ناظم اعلی مقرر ہوئے۔ تیسرے صاحبزادے عزیزم حافظ مولوی محمد اسعد قاسمی سلمہ ہیں، جو جامعہ عبداللہ ابن مسعود کے نائب ناظم ہیں اور اپنے والد کی جگہ جمعیۃ علماء پرتاپ گڑھ کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے ہیں۔

چار صاحبزادیاں ہیں، جن میں بڑی صاحب زادی حافظ قران ہیں۔ دوسری اور تیسری حافظ قرآن کے ساتھ باقاعدہ عالمہ بھی ہیں اور تیسری صرف عالمہ ہیں۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی عابدہ زاہدہ صالحہ ہونے کے ساتھ حافظ قرآن ہیں اور ابتدائی عربی وفارسی کی اچھی واقفیت رکھتی ہیں۔ ایک پوتا اور نواسہ بھی حفظ قران کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، بقیہ زیر تعلیم ہیں، اس طرح پورا گھر گہوارہ علم وفن بنا ہوا ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک

تدفین

اس مرد مجاہد کی شہادت کا واقعہ یکم ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ مطابق ۸ر جون ۲۰۲۴ء بروز ہفتہ پیش آیا اور نماز جنازہ دوسرے دن صبح دس بجے دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث ونائب مہتمم حضرت مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ بعدہٗ گاؤں ہی کے آبائی قبرستان میں تدفین ہوئی۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

فقہ وفتاویٰ

ادارہ

سوال......لڑکیوں کوناخن لمبے کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب......شرعی حکم یہ ہے کہ ہر ہفتے نہیں تو پندرھویں دن ناخن اُتار دے، اگر چالیس روز گزر گئے اور ناخن نہیں اُتارے تو گناہ ہوا۔ یہ ہی حکم ان بالوں کا ہے جن کو صاف کیا جاتا ہے، اس حکم میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔

سوال......لڑکیاں جو آج کل پلکیں بناتی ہیں کیا یہ جائز ہے۔؟

جواب......پلکیں بنانے کا فعل جائز نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے، بنانے والی پر بھی اور بنوانے والی پر بھی۔

سوال......کیا خواتین کے لئے چہرے، بازوؤں اور بھنوؤں کے درمیان کا رُواں صاف کرنا گناہ ہے۔؟

جواب......محض زیبائش کے لئے تو فطری بناوٹ کو بدلنا جائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بال نوچنے اور نچوانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے (مشکوٰۃ شریف ص:۳۸۱) البتہ اگر عورت کے چہرے پر غیر معتاد بال اُگ آئیں تو ان کے صاف کرنے کی فقہاء نے اجازت لکھی ہے، اسی طرح جن بالوں سے شوہر کو نفرت ہو ان کے صاف کرنے کی بھی اجازت دی ہے، (**رد المحتار، کتاب الحظر و الاباحة**) (مگر اس سے سر کے بال کٹوانے کی اجازت نہ سمجھ لی جائے)۔

سوال......کٹے ہوئے بالوں او جارجیٹ وغیرہ کے باریک دوپٹوں میں نماز ہوجاتی ہے یا نہیں۔ آج کل زیادہ تر لڑکیوں کے بال کٹے ہوئے ہوتے ہیں، اور وہ نماز بھی پڑھتی ہیں۔

جواب......عورتوں کو سر کے بال کاٹنا جائز نہیں، بال کاٹنے کا گناہ الگ ہوگا، مگر نماز ہوجائے گی۔ سر کا دوپٹہ اگر ایسا باریک ہے کہ اندر سے بدن نظر آتا ہے تو اس سے نماز نہیں ہوگی۔

سوال......بعض لوگ کہتے ہیں کہ لڑکیوں یا عورتوں کو آڑی مانگ نکالنا اسلام کی رُو سے جائز نہیں۔ درست بات کیا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

جواب......ٹیڑھی مانگ نکالنا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے، مسلمانوں میں اس کا رواج گمراہ قوموں کی تقلید سے ہوا ہے، اس لئے یہ واجب الترک ہے۔

سوال......کیا اسلام میں مردوں کو مہندی لگانا جائز ہے؟ اور کیا اس سے نماز ہوجاتی ہے؟

جواب......مرد، سر اور داڑھی کو مہندی لگا سکتے ہیں، ہاتھوں میں مہندی لگانا عورتوں کے لئے دُرست ہے، مردوں کے لئے نہیں۔ نماز ہوجاتی ہے۔

طب وصحت

پانی پینے کے طبی اصول

حکیم محمد عمران مغل

پانی کا سب سے اہم کام خون کو پتلا کرنا ہے جس سے یہ رگوں میں دوڑتا ہے۔ چین کے لوگ ساری زندگی گرم پانی پیتے ہیں، ہماری طرح برف کے گولے حلق میں نہیں ٹھونستے۔ پانی کا برتن گہرا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ کشادہ ہونا چاہیے تاکہ اس میں خاکی ذرات ہوں تو نظر آسکیں۔ آدمی کو پانی کب پینا چاہیے؟ پرانے اطبا نے انسانی مزاجوں کے لحاظ سے درجات مقرر کیے ہیں۔

مرطوب مزاج تھوڑا صبر کر کے پیے، لیکن خشک مزاج فوری پیے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو تب دق، احتراق اخلاط، ضعف دماغ اور سردکا اندیشہ ہے۔ غذا کے ساتھ پانی پینے کے متعلق اطبا کا کافی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے غذا کچی رہ جاتی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ ہاضمہ تیز ہوتا ہے۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ مرطوب مزاج والا بہرکیف نقصان اٹھاتا ہے۔ صرف خشک مزاج والے کو اطبا نے اجازت دی ہے کہ پیاس کو فوری بجھائے۔ صفراوی مزاج والا غذا کھانے کے دو گھنٹہ بعد، سوداوی مزاج والا تین گھنٹہ بعد، بلغمی مزاج والا چار گھنٹہ بعد اور بعض اطبا نے گھنٹہ دو گھنٹہ بعد کی بھی پابندی عائد کی ہے۔ اگر معدہ اور جگر میں گرمی ہو تو پھر فوری پئیں۔

بدن کے مسامات کھلے ہوں یا معدہ خالی ہو تو پانی کی سردی بلا اصلاح اعضائے رئیسہ اور اعصاب میں سرایت کر جاتی ہے جو حرارت غریزیہ کے لیے باعث نقصان ہے۔ جماع کے بعد پانی پینے سے حرارت غریزیہ بجھتی ہے۔ رعشہ، تشنج پیدا ہوتا ہے اور بھوک بھی مر جاتی ہے۔ نہار منہ پانی پینے سے اگر دل کی طرف چلا گیا تو دل کی حرارت بجھا کر باعث موت ہوسکتا ہے۔ جگر کی طرف چلا گیا تو خطرناک مرض استسقا (پانی کا بھر جانا) پیدا کرتا ہے۔ نہار منہ ٹھنڈا پانی پینے سے معدہ اور اعضاء تنفس سکڑ جاتے ہیں، لیکن خشک مزاج اور طاعون کے مریض کو نہار منہ پینا درست ہے کیونکہ پانی ان کی اندرونی حرارت کی اصلاح کرتا ہے۔ ریاضت، حمام یا اسہال کے بعد ٹھنڈا پانی پینے سے وہی عوارض ہوں گے جو جماع کے بعد ہوتے ہیں۔

کبھی کبھی ناقابل برداشت جگر کا درد بھی ہوا کرتا ہے۔ نیند سے بیدار ہو کر فوری طور پر پانی پینے سے زکام اور دماغی امراض ہوں گے۔ قے کے بعد پانی پینے سے ضعف معدہ ہوا کرتا ہے۔ رات کو تھوڑا پینا چاہیے۔ کھڑے کھڑے یا اوندھے منہ یا تکیہ کی ٹیک لگا کر پینے سے احشا اور اعصاب متاثر ہوتے ہیں۔ جنھیں اعصابی درد ہوں، وہ یہی لوگ ہوتے ہیں۔ کنویں اور نہر کا پانی ملا کر کبھی نہ پئیں۔ دو مختلف کنوؤں کا پانی بھی ملا کر نہ پئیں۔ اس سے تبخیر اور قراقر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح بارش، کنویں اور نہر کا پانی قطعاً ملا کر نہ پینا چاہیے۔ تربوز کا پانی پینے سے برص کا مرض ہوتا ہے۔

افسانہ

ساس بہو

شادی کے چند دنوں کے بعد جمیلہ میکے آئی تو اس کی بہنوں اور سہیلیوں نے پوچھا: ''دولہا بھائی کیسے آدمی ہیں؟'' جمیلہ کے چہرے پر شرم کی لالی ابھری۔ وہ اپنی مسکراہٹ روکتے ہوئے بولی: ''اچھے ہیں۔'' پھر اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس کے چہرے کی لالی میں ہلکی سی سیاہی کی آمیزش ہوئی۔ اس نے برا سا منہ بنا کر کہا: ''لیکن ہر وقت اپنی ماں کے مرید ہی بنے رہتے ہیں۔ ہر کام اس سے پوچھ کر کرتے ہیں۔ میں نے کہا: گھر میں گیز رلگوالیں تو بولے: ماں جی سے بات کروں گا۔ میں نے کہا: کسی پارک میں سیر کرنے چلیں تو بولے: ماں جی سے بات کرتے ہیں، اجازت ملی تو ضرور چلیں گے۔۔۔'' ایک سہیلی بولی: ''معلوم ہوتا ہے وہ اپنی ماں سے شدید محبت کرتے ہیں۔''

جمیلہ نے اس سہیلی کو ترچھی نظروں سے دیکھا۔ پھر اس کی ناک سے تیزی سے 'ہوں' کی آواز نکلی اور اس نے اپنا سر جھٹک کر دوسری طرف کرلیا۔ دو سال کے بعد جمیلہ کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکا جوان ہو گیا۔ ادھر وقت نے جمیلہ کے خاوند پر کوئی اثر نہ کیا۔ اس کا اپنی ماں کے ساتھ تعلق اسی طرح قائم رہا۔ جمیلہ بھی ویسی کی ویسی ہی رہی۔ جب بھی وہ میکے جاتی یا اس کی کوئی سہیلی اسے ملنے آتی تو وہ اپنے شوہر کے اس کی ماں کے ساتھ تعلق پر ضرور شکایت کرتی۔ اسے سب سے زیادہ اس بات پر شکوہ رہتا تھا کہ وہ اپنی ساری تنخواہ اپنی ماں کے ہاتھ پر کیوں رکھ دیتے ہیں۔ وقت کا پہیا چلتا رہا۔

ایک دن جمیلہ کے لڑکے کی شادی ہوگئی۔ وہ لڑکا بچپن سے اپنی ماں کی شکایت سن رہا تھا۔ وہ بیوی کے حقوق کے معاملے میں بہت حساس ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی کا بہت خیال رکھتا تھا۔ وہ اسے بالکل اسی طرح چاہتا تھا جس طرح جمیلہ بیوی کی حیثیت سے چاہتی تھی کہ اسے چاہا جائے۔ ایک دفعہ اس کی بیوی نے اپنے کمرے میں اے سی لگوانے کی بات کی، اس نے اسی وقت ہامی بھر لی۔ وہ کبھی باہر کھانا کھانے کی خواہش ظاہر کرتی تو وہ ہنسی خوشی مان جاتا اور ماں سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتا...... حتیٰ کہ چند ماہ بعد اس نے تنخواہ بھی بیوی کو دینا شروع کر دی۔ وقت کا دریا اسی طرح بہتا رہا۔ ایک دن جمیلہ اپنے گھر کے صحن میں چہرہ لٹکا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کا لڑکا اپنی بیوی کے ساتھ باہر کھانا کھانے گیا ہوا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ معلوم ہوا جمیلہ کی ایک پرانی سہیلی اسے ملنے آئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑی گرم جوشی سے ملیں۔ پھر گپ شپ شروع ہوئی۔ باتوں باتوں میں جمیلہ کے لڑکے کا ذکر آ گیا۔ جمیلہ غمگین ہوگئی۔ اس کے ماتھے پر بہت سی شکنیں ابھر آئیں۔ وہ برا سا منہ بنا کر بولی: ''وہ تو ہر وقت اپنی بیوی کا مرید ہی بنا رہتا ہے۔ اس کی ہر خواہش پوری کرتا ہے۔ تنخواہ بھی ساری اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔'' سہیلی نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے وہ اپنی بیوی سے بڑی محبت کرتا ہے۔'' جمیلہ نے سہیلی کو ترچھی نظروں سے دیکھا۔ پھر اس کی ناک سے تیزی سے 'ہوں' کی آواز نکلی اور اس نے اپنا سر جھٹک کر دوسری طرف کرلیا۔

جامعۃ السعادہ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

’’جامعۃ السعادۃ‘‘ مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ’’ کیرانہ، شاملی‘‘ کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جوملت اسلامیہ کی علمی، دینی اورفکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اوراپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اوراس کی لوکوتیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اوربچیوں کی تعلیم پرخصوصی توجہ، عربی، اردواورانگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندرصلاحیت پیدا کرنے اورصحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیزعوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اورانہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اورانتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ’’تحقیقات اسلامی‘‘ کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کرپاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اوردعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اورلباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اوردیگر ہرطرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ باضابطہ طورپر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اوردارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اورحکومت ہند سے منظورشدہ انگلش میڈیم اسکول کے تحت درجہ پانچ تک کی تعلیم ماہراساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ’’جامعہ اسعاد البنات‘‘ قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اورہرطرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اوران کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامورہیں، یہ ادارہ بھی باضابطہ طورپرندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تادورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹراوردست کاری (سلائی، کڑھائی، امورخانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اورعطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774

رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150